الھدیٰ (207)

ڈاکٹر اسرار احمد

سورۃ النساء (آیات 61 تا 63)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ۞ فَكَيْفَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَآءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا ۞ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًاۢ بَلِيْغًا ۞

''اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ جو حکم اللہ نے نازل فرمایا ہے اُس کی طرف (رجوع کرو) اور پیغمبر کی طرف آؤ تو تم منافقوں کو دیکھتے ہو کہ تم سے اعراض کرتے اور رُکے جاتے ہیں۔ تو کیسی (ندامت کی) بات ہے کہ جب اُن کے اعمال (کی شامت) سے اُن پر کوئی مصیبت واقع ہوتی ہے تو تمہارے پاس بھاگے آتے ہیں اور قسمیں کھاتے ہیں کہ واللہ! ہمارا مقصود تو بھلائی اور موافقت تھا۔ ان لوگوں کے دلوں میں جو کچھ ہے اللہ اُس کو خوب جانتا ہے۔ تم اُن (کی باتوں) کا کچھ خیال نہ کرو۔ اور اُنہیں نصیحت کرو۔ اور اُن سے ایسی باتیں کہو جو اُن کے دلوں میں اثر کر جائیں۔''

اور جب ان منافقین کو کہا جاتا ہے کہ آؤ اس چیز کی طرف جو اللہ نے نازل فرمائی اور آؤ رسول کے پاس مقدمات کا فیصلہ کرانے کے لیے تو اے نبی! آپ دیکھتے ہیں کہ یہ منافق آپ کے پاس آنے سے کنی کتراتے ہیں۔ پھر جب ان پر مصیبت آتی ہے اُن کے اپنے ہی کرتوت کی وجہ سے یعنی حضرت عمرؓ نے مقدمے کے فیصلے میں منافق کی گردن اُڑا دی تو آپ کے پاس اللہ کی قسمیں کھاتے ہوئے آتے ہیں کہ ہم تو احسان' بھلائی' موافقت اور راضی نامہ چاہتے تھے۔ اسی لیے تو عمرؓ کے پاس گئے تھے۔ مگر عمرؓ نے یہ کیا کر دیا؟ اب وہ تو مقدمہ قائم کرنا چاہتے تھے عمرؓ کے خلاف مگر وحی الٰہی نے یہ کہہ کر حضرت عمرؓ کے فعل کی تائید کر دی کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ جو کچھ ان کے دلوں میں ہے اللہ اُسے خوب جانتا ہے۔ پس اے نبی ﷺ! آپ اُن سے رُخ پھیر لیجیے۔ ہاں ان کو ذرا نصیحت کیجیے ڈانٹیے ڈپٹیے اور ایسی بات کہیے جو ان کے دلوں میں اتر جائے۔ چنانچہ ان آیات کے اترنے کے بعد حضور ﷺ نے حضرت عمرؓ کو بری قرار دے دیا کہ اللہ کی طرف سے ان کی برأت آ گئی۔ کہتے ہیں کہ اسی دن سے ان کا لقب فاروق ہوا یعنی حق و باطل میں فرق کرنے والا۔

منافقین پر نماز روزہ بھاری نہ تھا بلکہ اطاعت رسول اُن پر بھاری تھی۔ وہ سمجھتے تھے کہ رسول بھی ایک انسان ہے۔ باقی انسانوں کی طرح اُس کے بھی دو ہاتھ' دو پاؤں' دو آنکھیں ہیں' تو پھر انسان انسان کی اطاعت کیوں کرے۔ یہ بڑی مشکل بات ہے۔ یہ ایک نفسیاتی مسئلہ ہے۔ جماعتوں میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔ جماعت کے امیر کی اطاعت سب سے کٹھن معاملہ ہوتا ہے۔ منافقین تو آپؐ کو محمد بن عبداللہ کی صورت میں اپنے سامنے دیکھ رہے تھے۔ اُن کے لیے حضور ﷺ کی شخصی اطاعت بہت بھاری تھی۔ مگر جن کے دل میں یقین تھا وہ اقرار کر چکے تھے کہ یہ محمد بن عبداللہ ہیں' مگر اللہ کے رسول بھی ہیں' بس یہ فرق تھا۔ چنانچہ منافقین بعض مواقع پر کہہ دیتے تھے کہ وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں اپنے پاس سے کہہ رہے ہیں۔

منافقین پر قتال بھی بہت بھاری تھا۔ وہ یہ کہتے تھے کہ قتال کا حکم تو محمد ﷺ اپنی طرف سے دے رہے ہیں۔ یہاں بھی حقیقت میں اُن کے لیے جان کا خطرہ رکاوٹ بن رہا تھا اور جان اُن کو عزیز تھی۔ وہ اپنی جان کو خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتے تھے۔ تیسری چیز' ہجرت تھی جو منافقین کو پسند نہ تھی۔ مگر یہ بات منافقین مدینہ کے لیے نہ تھی کیونکہ وہ تو پہلے سے ہی مدینہ میں موجود تھے۔ یہ بات اردگرد کے رہنے والے منافقین پر بھاری تھی' جن کے لیے دین اسلام کی محبت کے جذبے کے تحت گھر بار' خاندان اور اولاد کو چھوڑ کر نکل جانا آسان کام نہ تھا۔

فرمانِ نبویؐ

چودھری رحمت اللہ بٹر

فرض روزہ بلا عذر ترک کرنا

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((مَنْ اَفْطَرَ يَوْمًا مِنْ رَمَضَانَ مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ وَلَا مَرَضٍ لَمْ يَقْضِ صِيَامُ الدَّهْرِ وَاِنْ صَامَهُ)) (رواہ البخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے بلا عذر یا بلا مرض ایک روزہ بھی ترک کیا ساری عمر کے روزے بھی اس کا کفارہ نہیں بن سکتے۔''

"تا خلافت کی بنا' دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

قیام خلافت کا نقیب

ہفت روزہ — لاہور

ندائے خلافت

جلد 14 — 20 تا 26 اکتوبر 2005ء — 15 تا 21 رمضان المبارک 1426ھ — شمارہ 39

بانی: اقتدار احمد مرحوم
مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

مجلس ادارت
سید قاسم محمود۔ ایوب بیگ مرزا
فرقان دانش خان۔ سردار اعوان۔ محمد یونس جنجوعہ
نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد' طابع: رشید احمد چوہدری
مطبع: مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ' لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67-اے' علامہ اقبال روڈ' گڑھی شاہو لاہور-54000
فون: 6366638 - 6316638 فیکس: 6271241
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور-54700
فون: 03-5869501

قیمت فی شمارہ 5 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک...... 250 روپے
بیرون پاکستان
یورپ' ایشیا' افریقہ وغیرہ (1500 روپے)
امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ (2200 روپے)
ڈرافٹ' منی آرڈر یا پے آرڈر
"مکتبہ خدام القرآن" کے عنوان سے ارسال کریں
چیک قبول نہیں کیے جاتے

"ادارہ" کا مضمون نگار حضرات کی رائے
سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

بسم اللہ الرحمن الرحیمo

اداریہ

ایوب بیگ مرزا

اللہ اس قوم کی حالت نہیں بدلتا......!

پاکستانیوں کی صلاحیتوں سے کبھی دشمن کو بھی انکار کی جرأت نہیں ہوئی۔ صبح آٹھ بج کر باون منٹ پر زلزلہ آیا اور 9 بجے سے پہلے الیکٹرونک میڈیا (سوائے پی ٹی وی) خود متحرک ہو چکا تھا اور جاگو اور جگاؤ کی مسلسل پکار لگانے لگا جو آج بھی جاری ہے۔ تاریخ میں پہلی مرتبہ عالمی میڈیا پاک میڈیا کے پیچھے لگنے پر مجبور ہو گیا کیونکہ اس کی کاروباری حیثیت متاثر ہونے کا خدشہ تھا۔ دنیا اسے نا اہلی یا بدترین تعصب قرار دیتی اور یہ دونوں عالمی میڈیا کی کریڈیبلٹی کے لیے ضرر رساں ہوتیں۔ اور پھر عوامی ردعمل اس تیزی سے سامنے آیا کہ دیکھتی آنکھوں اور سنتے کانوں کو یقین نہ آیا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے عوام الہامی طور پر آگاہ ہو چکے تھے کہ کوئی آفت آنے والی ہے اور وہ آٹا چاول دالیں گھی وغیرہ لیے بیٹھے تھے کہ ہمیں آفت زدہ بھائیوں تک ضروریاتِ زندگی پہنچانا ہے۔ زلزلہ سے اگلے روز بڑے شہروں کی سڑکیں اور پارک سامان سے اٹی پڑی تھیں۔ البتہ معاشرہ کالی بھیڑوں سے کبھی خالی نہیں رہا۔ ٹرانسپورٹروں نے اپنی "خصوصی" ذہنیت کا مظاہرہ کیا لیکن شہریوں کا جوش و جذبہ جو ایک سیلاب کی مانند تھا ان کی اس لالچ اور کمینگی کو تنکے کی طرح بہا کر لے گیا اور منہ مانگے دام دے کر سامان کی آفت زدہ علاقوں کی طرف ترسیل شروع کر دی۔

جہاں تک حکومت کا تعلق ہے اس کا المیہ یہ ہے کہ وہ دو چہروں والی ہے' ایک فوجی اور ایک جمہوری۔ یا یوں کہہ لیں کہ اس کے دھڑ پر فوجی وردی اور پاؤں میں بھاری بوٹ ہیں' البتہ چہرے کو بھاری میک اپ سے اور غازہ تھوپ کر جمہوری بنا دیا گیا ہے۔ ہر روز عالمی رائے عامہ کو قسمیں کھا کھا کر یقین دلایا جاتا ہے کہ ہمارے ہاں جمہوری حکومت ہے' لیکن عالمی رائے عامہ بھی ایسی ڈھیٹ ہے کہ ماننے کو نہیں آتی۔ بہر حال یہ نقاب پوش جمہوری حکومت تا دمِ تحریر زلزلہ کے حوالے سے مکمل طور پر مفلوج اور گم صم ہے۔ حواس تو پیدائشی طور پر ہی نہیں تھے جو باختہ ہوتے۔ بسوں ٹرکوں اور رکشاؤں پر ایک محاورہ نما شعر لکھا ہوتا ہے جو ہماری جمہوری چہرہ حکومت پر صادق آتا ہے "عقل ہووے تو سوچاں ہی سوچاں' نہ ہووے تو موجاں ہی موجاں"۔ فوج کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ "بہت دیر کی مہربان آتے آتے" لیکن جب فوج متحرک ہوئی تو اس کی کارگزاری کے سامنے دیر آید درست آید کی ضرب المثل بھی بڑی پھیکی محسوس ہوئی۔ قصہ کوتاہ عوامی جوش و جذبہ اور نجی الیکٹرانک میڈیا کا اس زلزلہ کے حوالہ سے رول پاکستان کی تاریخ میں سنہرے حروف سے لکھا جائے گا۔

اب ضرورت اس بات کی ہے کہ عوامی جوش و جذبہ مثبت رخ اختیار کرے اور اسے استقامت نصیب ہو۔ یہ سوچ پیدا ہو اور ہم غور و فکر کریں کہ اتنا عظیم سانحہ کیوں پیش آیا۔ وہ چھت جو ہم پر سایہ کر رہی تھی' جو ہمیں سردیوں میں ٹھٹھرنے سے بچاتی تھی' جو سورج کی تمازت سے ہماری حفاظت کرتی تھی وہ ہمارے سروں پر کیوں آ گری' اس نے ہمیں کیوں کچل دیا؟ ایسا کیوں ہوا کہ بھلے چنگے صحت مند لوگ اٹھنے بیٹھنے اور چلنے پھرنے کے لیے دوسروں کے محتاج ہو گئے۔ کیا معاذ اللہ ثم معاذ اللہ' اللہ نے اپنے بندوں پر ظلم کیا ہے؟ ہرگز نہیں' یقیناً ہرگز نہیں' اللہ تو اپنی کل مخلوق سے اس ماں سے ہزاروں گنا زیادہ محبت کرتا ہے جو بچے کو معمولی گزند سے بچانے کے لیے اپنی جان دے دیتی ہے۔ یہ تو ہمارے اپنے ہاتھوں کی کمائی تھی۔ یہ تو ہمارا اپنا کیا دھرا تھا۔ یہ تو ہمارے اپنے اعمال تھے جو کوڑا بن کر ہم پر برسے ہیں۔ یورپ اور امریکہ تو صرف بے حیائی اور سود خوری میں ملوث ہیں۔ ہم ان صفات میں بھی ان سے مقابلے کی فکر میں تھے جبکہ بد دیانتی' بد عہدی' کرپشن اور دوسروں کے حقوق ہڑپ کرنے میں ہم دنیا میں ثانی نہیں رکھتے۔ حقوق اللہ ادا کرنے میں منافقت برتنا اور حقوق العباد سے سرے سے لاتعلقی ہمارا وطیرہ تھا۔ کیا باقی رہ گیا تھا' غضب خداوندی کو دعوت دینے میں؟

ہم اردو کے بہت بڑے اخبار کے مشہور و معروف کالم نویس کی خدمت میں چند گزارشات عرض کریں گے' جنہوں نے اپنے شور سے آسمان سر پر اٹھایا ہوا ہے کہ کسی زلزلے یا ناگہانی آفت کا انسان کے گناہوں سے تعلق نہیں ہوتا۔ اگر یہ گناہوں کی سزا ہے تو کیا صرف اسی متاثرہ علاقے کے لوگ گناہ گار تھے' باقی دنیا (باقی صفحہ 18 پر)

بالِ جبریل کی سولھویں غزل (اشعار 11 تا 16)

اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں، بیگانے بھی ناخوش — میں زہرِ ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند!

مشکل ہے کہ اک بندۂ حق بین و حق اندیش — خاشاک کے تودے کو کہے کوہِ دماوند!

ہوں آتشِ نمرود کے شعلوں میں بھی خاموش — میں بندۂ مومن ہوں، نہیں دانۂ اسپند!

پُر سوز و نظر باز و نکوبین و کم آزار — آزاد و گرفتار و تہی کیسہ و خورسند!

ہر حال میں میرا دلِ بے قید ہے خرم — کیا چھینے گا غنچے سے کوئی ذوقِ شکر خند

چپ رہ نہ سکا حضرتِ یزداں میں بھی اقبال — کرتا کوئی اس بندۂ گستاخ کا منہ بند!

(11) چونکہ میں جھوٹ کو سچ اور سچ کو جھوٹ نہیں کہہ سکتا' اس لیے میری قوم بھی مجھ سے ناراض ہے اور غیر اقوام بھی ناخوش ہیں۔

(12) بات یہ ہے کہ ایک حق پرست اور راست باز انسان کے لیے یہ ناممکن ہے کہ وہ دن کو رات یا مٹی کے ڈھیر کو پہاڑ کہہ دے۔

الوند اور دماوند' ہمدان (ایران) کے علاقے میں مشہور پہاڑ ہیں جن کا ذکر فارسی ادب میں اکثر آتا ہے' اور اقبال نے بھی فارسی شعراء کے تتبع میں ان کا تذکرہ اپنی فارسی تصانیف میں کیا ہے۔

(13) میں غیر اسلامی ماحول میں اور غیر مسلموں کے زیرِ اقتدار زندگی بسر کر رہا ہوں' اور اِس زمانے کے فرعون اور نمرود مجھے ہر قسم کی اذیتیں پہنچا رہے ہیں' لیکن میں ان سب تکلیفوں کو صبر و سکون کے ساتھ برداشت کر رہا ہوں' کیونکہ میں مسلمان ہوں' یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معنوی فرزند اور اُن کی سنت پر عمل پیرا ہوں۔ ''دانۂ اسپند'' نہیں ہوں کہ آگ میں پڑ کر شور برپا کر دوں۔

اسپند ایک قسم کا تخم ہے جو بطور دوا استعمال ہوتا ہے۔ کالا دانہ (ہرمل) جو ہوا صاف کرنے اور نظرِ بد کا اثر دُور کرنے کے لیے جلایا جاتا ہے۔ اسپند کے دانے کی یہ خاصیت ہے کہ جب اُسے آگ میں ڈالا جائے تو چٹخ جاتا ہے اور چٹخنے سے آواز پیدا ہوتی ہے۔ اقبال نے اپنی قوتِ تخیل کی بدولت اس آواز کو ضبط و تحمل کے فقدان کا مترادف بنا دیا۔ اور اس طرح پہلے مصرعے میں ''خاموش'' کا جو لفظ استعمال ہوا ہے' اُس کے ساتھ تقابل کا رنگ پیدا ہو گیا' جس سے شعر کی خوبی کو چار چاند لگ گئے۔

(14) اِس شعر میں اقبال نے اپنی شخصیت کی پوری تصویر کھینچ دی ہے۔ کہتے ہیں' میرا کردار یہ ہے کہ دل سوز و گداز سے لبریز ہے۔ انسان کی خوبیاں دیکھتا ہوں۔ عیب تلاش نہیں کرتا' نہ ہی کسی کے لیے باعثِ آزار ہوں۔ کسی کو ضرر نہیں پہنچاتا۔ اس کے برعکس حقیقت یہ ہے کہ اپنی تمام انا کے باوجود آزاد بھی ہوں اور خود کو پابندِ قفس بھی محسوس کرتا ہوں اور مال و زر سے محرومی کے باوجود مطمئن اور مسرور ہوں۔

(15) کتنی ہی مشکلات اور مصائب ہیں جن کا سامنا ہے' پھر بھی مطمئن رہتا ہوں۔ میں ہر حال میں خوش رہتا ہوں۔ جس طرح شگفتگی غنچے کی فطرت ہے اور کوئی اُسے بدل نہیں سکتا' اسی طرح خوش و خرم رہنا میری فطرت میں داخل ہے۔ میرے بدخواہ لاکھ کوشش کریں' وہ مجھے اِس نعمت سے محروم نہیں کر سکتے۔

(16) اس منزل پر پہنچ کر شاعر کو یہ احساس ہوتا ہے کہ بارگاہِ ایزدی میں یہ طرزِ گفتگو اور یہ طولِ کلام' دونوں حدِ ادب سے خارج ہیں' اس لیے وہ اپنی گستاخی اور جرأت پر نادم ہو کر خود ہی اپنے آپ کو سرزنش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اقبال' خاموش! تجھے احساس نہیں کہ تُو کس کی بارگاہ میں حاضر ہے۔ بس زبان بند کر!

اقبال کہتے ہیں کہ یزداں کے حضور میں بھی خاموش نہ رہ سکا۔ بلکہ بڑی بے باکی اور صاف گوئی کے ساتھ اپنی معروضات پیش کر دیں۔ اس جسارت کو بے شک گستاخی پر محمول کیا جائے اور اس کے لیے جو سزا تجویز کی جائے' وہ بہ صد احترام قبول! لیکن یہ بھی تو طرزِ وفاداری ہے کہ محبوب کے رُوبرو دل کھول کر رکھ دیا جائے۔

اس پوری نظم نما غزل میں علامہ اقبال نے خداوند ذوالجلال کی بارگاہ میں کچھ معروضات بھی پیش کی ہیں۔ گلے شکوے بھی کیے ہیں۔ اپنی قلبی کیفیت بھی بیان کی ہے۔ اپنے عہد اور کائنات کے معاملات پر گفتگو کی ہے۔ اگر اقبال اس غزل کو نظم قرار دے کر اس کا کوئی عنوان مقرر کرتے تو وہ یقیناً یہی ہوتا: ''خدا کے حضور میں''

منبر و محراب

روزہ، رمضان اور قرآن

مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں بانی تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے 7 اکتوبر 2005ء کے خطابِ جمعہ کی تلخیص

(سورۃ البقرۃ کی آیات 183، 184 اور 185 کی تلاوت کے بعد فرمایا): جدید دور کے مفسرین کے نزدیک یہ تین آیات رمضان کے روزے سے متعلق ہیں۔ میری رائے میں اِن آیات کا رمضان کے روزے سے متعلق ہونا قرینِ قیاس نہیں ہے۔ اِس سلسلۂ کلام میں تکرار ہے اور تکرارِ محض کلام کا عیب ہوتا ہے۔ مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری کی بھی یہی رائے ہے کہ ان آیات کا تعلق رمضان کے روزے سے نہیں' بلکہ ایام بیض کے روزوں سے ہے۔ امام رازیؒ کی بھی یہی رائے ہے۔

اِس کا پس منظر سمجھئے' اہل عرب روزے کی عبادت سے واقف نہیں تھے۔ اُن کے ہاں دین ابراہیمی کی کچھ چیزیں چلی آ رہی تھیں' اگرچہ اُن میں تحریف کر دی گئی تھی۔ مثلاً نماز تھی' مگر اُس میں وہ سیٹیاں بجاتے اور تالیاں پیٹتے تھے۔ حج موجود تھا' مگر تلبیہ میں مشرکانہ عقیدہ شامل کر لیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ قریش کا کہنا تھا کہ عرفات کا میدان حدودِ حرم سے باہر ہے۔ ہم چونکہ حرم کے متولی ہیں' اس لیے حرم سے باہر نہیں جائیں گے۔ مناسک حج کی ادائیگی کے بعد منیٰ میں تین دن (یا دو دن) قیام اللہ کے ذکر کے لیے تھا' لیکن وہ اس میں اپنے آباء واجداد کی بہادری اور سخاوت کا ذکر کرتے تھے۔ زکوٰۃ کی عبادت اگرچہ نہیں تھی' لیکن صدقات وخیرات کا اہتمام موجود تھا' لیکن ''صوم'' کی عبادت ایسی تھی جس سے وہ واقف نہیں تھے۔

عربوں کے ہاں ''صوم'' (روزہ) کا لفظ گھوڑوں کی مشقت کے لیے آتا تھا۔ وہ انہیں روزہ رکھواتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کا پیشہ غارت گری اور لوٹ مار تھا۔ رات کے پچھلے پہر غارت گری اور لوٹ مار کر کے انہیں تیز بھاگنا ہوتا تھا' جس کے لیے انہیں تیز رفتار سواری کی ضرورت تھی۔ یہ سواری گھوڑا تھا' لیکن گھوڑا چونکہ نازک مزاج جانور ہے' وہ بھوک' پیاس اور گرمی کی شدت برداشت نہیں کر سکتا' لہٰذا اسے عادی بنانے کے لیے وہ روزہ رکھواتے تھے' اسے کھلانا پلانا چھوڑ دیتے تھے اور جب گرمی ہوتی اور لو چلتی' تو گھوڑے کا منہ لُو کی طرف کر دیتے تھے تاکہ اس میں برداشت کا مادہ پیدا ہو جائے۔ قرآن مجید کے مکی حصے میں ''صوم'' کا کہیں ذکر نہیں' سوائے سورۂ مریم کے اور وہاں بھی بر سبیل تذکرہ ہے۔

مدینہ ہجرت کے بعد نبیؐ نے یہودیوں کو دیکھا کہ وہ عاشورہ (10 محرم) کا روزہ رکھتے ہیں' تو آپؐ نے پوچھا: اس دن روزہ کیوں رکھتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا: اس دن اللہ تعالیٰ نے ہمیں فرعون کے مظالم سے نجات دلائی تھی' لہٰذا ہم شکرانے کے طور پر روزہ رکھتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہم یہودیوں سے زیادہ موسیٰ علیہ السلام کے حقدار ہیں' لہٰذا مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ عاشورہ کا روزہ رکھا کریں اور بعد میں یہ بھی فرمایا کہ یہودیوں کے برعکس وہ (9 تا 10 محرم) دو روزے رکھیں۔ تاکہ اُن میں اور یہودیوں میں امتیاز رہے۔ چنانچہ مسلمانوں نے یہ دو روزے رکھنے شروع کر دیئے۔

کچھ دنوں کے بعد تین روزے رکھنے لازم کر دیئے گئے۔ ہر ماہ کی تیرھویں' چودھویں اور پندرھویں تاریخ کے روزے۔ یہ ایام بیض کے روزے کہلاتے ہیں۔ عرب روزے کی عبادت سے واقف نہ تھے۔ انہیں آہستہ آہستہ اس کا عادی بنانا ضروری تھا۔ اگر ایک دم ان پر ایک مہینے کے روزے فرض ہو جاتے' تو ان پر مشکل آ جاتی' اس لیے قرآن حکیم میں پہلا حکم انہی ایام بیض کے روزوں کا آیا' فرمایا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿١٨٣﴾﴾ (البقرہ) یعنی ''تم پر واجب کر دیا گیا روزہ جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر کیا گیا تھا تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ''۔ میری رائے میں..... اور یہ رائے بیک وقت مولانا انور شاہ کاشمیری' امام رازی اور بعض تابعین کی بھی ہے..... یہ حکم رمضان کے روزے کا نہیں' بلکہ ایام بیض کے روزے کا ہے۔ کیونکہ آگے فرمایا: ''﴿اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ﴾ (گنتی کے چند دن)۔ ظاہر ہے کہ رمضان کے روزوں کو ''اَيَّامٌ مَّعْدُوْدٰتٌ'' نہیں کہا جا سکتا۔

آگے فرمایا: ﴿..... فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ۭ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ۭ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿١٨٤﴾﴾ یعنی ''جو آدمی سفر میں ہو یا مریض ہو تو وہ یہ تعداد دوسرے ایام میں پوری کرے (ایام بیض میں اگر کوئی روزہ نہ رکھ سکے تو بقیہ دنوں میں ان کی قضا کر لے) اور جو لوگ روزے کی طاقت رکھتے ہوں (مگر روزہ نہ رکھیں) تو ان کے لیے (روزے کا) فدیہ ہے کہ وہ ایک مسکین کو کھانا کھلائیں''۔ ہاں جو اپنی مرضی سے خیر کمائے' (ایک مسکین کی بجائے دس بیس کو کھانا کھلائے) تو یہ اس کے لیے زیادہ اچھا ہے۔ تم روزہ رکھو تو اسی میں تمہاری بہتری ہے' اگر تم سمجھ رکھتے ہو''۔ ان الفاظ میں روزے رکھنے کی ترغیب ہے۔

رمضان کے روزے فرض ہو گئے تو ایام بیض کے روزے واجب نہیں رہے۔ اسے وجوب علی الخیار کہتے ہیں۔ فرضیت روزہ کی بنا پر اب رمضان کا روزہ لازماً رکھنا ہوگا۔ یہ وجوب علی العین ہے۔ البتہ ایک رعایت باقی رہی کہ اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو تو قضا کر سکتے ہو۔ نبی اکرم ﷺ نے ان تین روزوں کو باقی رکھا۔ آپ یہ روزے رکھتے تھے۔ اسی طرح جو شخص روزہ نہ رکھے وہ ایک مسکین کو کھانا کھلا دے' اگرچہ فرضیت روزہ کے بعد مطلقاً یہ معاملہ ختم ہو گیا' لیکن حضور ﷺ نے حکمت دین کے تحت اسے برقرار رکھا' تاکہ کوئی ایسا مریض ہو جسے مرض سے شفا کی امید نہ ہو' مثلاً شوگر ہو یا کوئی گردوں کا ڈائیلسس کرائے یا کوئی شیخ فانی ہو اور روزے کی مشقت سے موت واقع ہو جانے کا اندیشہ ہو۔ ایسی حالت میں آدمی کے لیے یہ رعایت برقرار رہے۔ وہ صبح شام ایک مریض کو کھانا کھلا دے' اس کے روزے کا بدل ہو جائے گا۔

''صوم'' کی عبادت کی غرض وغایت کیا ہے؟ فرمایا: ''لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ'' ''(روزہ کا مقصد یہ ہے کہ) تاکہ تم میں تقویٰ پیدا ہو''۔ تقویٰ کسے کہتے ہیں۔ اس کے لفظی معنی ''بچنا'' ہیں' یعنی گناہ' حرام کاری اور حرام خوری سے بچنا۔

مطلب یہ ہوا کہ گناہوں سے بچنے کے لیے تم پر روزہ واجب کیا گیا ہے۔

ہمارا ایک حیوانی وجود ہے۔ اس کے تمام تقاضے وہی ہیں جو حیوانوں کے ہیں۔ کھانا پینا' رہنے کی جگہ اور توالد و تناسل جس طرح حیوانوں کی ضرورت ہے انسانوں کی بھی ہے۔ ان تقاضوں کے لیے فرائڈ نے "لبیڈو" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ یہ لبیڈو بہت منہ زور ہوتی ہے۔ بھوک لگی ہو تو آدمی چاہتا ہے کہ حلال یا حرام جو بھی ملے کھا لے۔ اسی طرح شہوت کا جذبہ بیدار ہوتا ہے تو آدمی کہتا ہے کہ جائز ناجائز سے قطع نظر اس جذبہ کی تسکین ہونی چاہیے۔ ان حیوانی تقاضوں کے لیے ضبط نفس (Self Control) کی صلاحیت پیدا کرنا روزے کا مدعا ہے۔

ہمارا حیوانی وجود ایک منہ زور گھوڑے کی مانند ہے۔ ہماری خودی گویا اس پر سوار ہے۔ جیسے ایک منہ زور گھوڑے پر سوار اگر طاقتور ہو تو گھوڑا سوار کی مرضی کے مطابق چلتا ہے' ورنہ سوار کو پٹخ دیتا ہے۔ اسی طرح اگر خودی کمزوری ہو اور نفس کا گھوڑا طاقتور تو نتیجہ ہلاکت اور بربادی کی صورت میں نکلتا ہے۔ کیونکہ نفسِ امارہ حاکم بن جاتا ہے اور ہم اس کے غلام ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اگر خودی طاقتور ہو تو حیوانی وجود ہماری مرضی کے مطابق ہمیں منزل تک لے کر جاتا ہے۔ چنانچہ انسان نیکیاں کماتا ہے' صدقات وخیرات کرتا ہے' اپنے جسم اور اس کے جملہ اعضاء ہاتھ' پاؤں' زبان' آنکھ اور دل و دماغ کو اللہ کی رضا کے لیے استعمال کرتا ہے۔ یہی ضبط نفس ہے' جو روزے کا مقصود ہے۔ اسی کے لیے روزے کی مشق کرائی جاتی ہے۔ چنانچہ روزے کی حالت میں جب آدمی اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری کے لیے' پورے تیس دن شدید بھوک پیاس اور اشیاء خورد و نوش دستیاب ہونے کے باوجود حلال چیزوں کے کھانے پینے سے بھی پرہیز کرتا ہے' تو اب اس سے توقع ہوتی ہے کہ اس میں یہ صلاحیت اور طاقت پیدا ہو کہ وہ باقی گیارہ مہینے حرام نہ کھائے اور حرام کاموں سے اپنے آپ کو بچائے۔

روزے کے ذریعے ضبط نفس تب ہی پیدا ہو سکتا ہے' جب آدمی روزے کے تقاضوں کو پورا کرے۔ فرض کریں ایک آدمی عین روزے کی حالت میں حرام کام کر رہا ہے مثلاً جھوٹ بول رہا ہے' سودی کاروبار کر رہا ہے' رشوت کا لین دین کر رہا ہے' تو یہ روزہ بے معنی ہے۔ محض کھانا پینا چھوڑ دینے کا نام روزہ نہیں ہے۔ یہ فاقہ ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ لَّمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِيْٓ اَنْ يَّدَعَ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ)) (بخاری) "جس نے روزے کی حالت میں جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا نہ چھوڑا تو اللہ کو ضرورت نہیں ہے کہ وہ کھانا پینا چھوڑ دے"۔ اس کے علاوہ روزے کے تقاضوں میں یہ بھی شامل ہے کہ گالم گلوچ نہ کی جائے' لڑائی جھگڑا نہ کیا جائے۔ کوئی جھگڑے تو اسے بتا دیا جائے کہ میں روزے سے ہوں۔ الغرض روزہ اگر پورے آداب کے ساتھ رکھا جائے تو اس سے لازماً تقویٰ پیدا ہوتا ہے۔

کچھ عرصے کے بعد روزے فرض کر دیے گئے۔ فرمایا: ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۭ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰي سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۡ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰي مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ١٨٥﴾ "رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا ہے' جو لوگوں کے لیے ہدایت ہے اور راہ پانے اور حق و باطل میں امتیاز کرنے کی بینات! پس تم میں سے جو بھی اس مہینہ کو پائے اُس کے لیے لازم ہے کہ اُس کے روزے رکھے۔ اور جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں تعداد پوری کرے۔ اللہ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے مشکل نہیں چاہتا۔ اور چاہیے کہ تم تعداد پوری کرو' اور تاکہ تم تکبیر کرو اللہ کی اُس ہدایت پر جو اللہ نے تمہیں دی ہے اور تاکہ تم شکر کر سکو۔"

روزے کی فرضیت کے لیے رمضان کے مبارک مہینے کو کیوں چنا گیا' اس کا جواب یہ ہے کہ اس مہینہ میں قرآن حکیم نازل کیا گیا' جو لوگوں کے لیے سامانِ ہدایت ہے۔ نزول قرآن کے دو مراحل ہیں۔ ایک لوح محفوظ سے سماء دنیا تک' جب پورے کا پورا قرآن مجید رمضان کی ایک رات میں نازل کر دیا گیا۔ یہ رات لیلۃ القدر ہے' جو رمضان میں آتی ہے۔ یہ انزال قرآن کا مرحلہ ہے۔ دوسرا مرحلہ قرآن کی تنزیل کا ہے' جب سماء دنیا سے حضرت جبرئیل امین اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھوڑا تھوڑا قرآن حضور ﷺ کے قلب مبارک پر اتارتے رہے۔ یہ مرحلہ تئیس برس میں مکمل ہوا۔

قرآن مجید میں روزے کے ساتھ قیام اللیل کا ذکر نہیں کیا گیا۔ اس کا ذکر نبیؐ نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا ہے۔ حضرت سلمان فارسیؓ سے مروی ہے۔ وہ فرماتے کہ اللہ کے رسولؐ نے ہمیں شعبان کے آخری دن خطبہ دیا اور فرمایا: اے لوگو تم پر عظمتوں والا مہینہ سایہ فگن ہو گیا ہے۔ یہ بڑی برکتوں والا مہینہ ہے۔ اس ماہ میں ایک رات ایسی ہے جس کی عبادت کا ثواب ہزار مہینوں کی عبادت سے زیادہ ہے۔ اللہ نے اس کا روزہ رکھنا فرض کر دیا ہے اور اس کے بعد فرمایا: وَقِيَامُ لَيْلِهٖ تَطَوُّعًا: یعنی "اور راتوں میں کھڑا رہنے کو آزادی مرضی پر چھوڑ دیا ہے"۔ گویا رمضان کا تقاضا ہے کہ جہاں دن میں روزہ رکھا جائے' وہاں رات کو قرآن کے ساتھ کھڑا رہا جائے' جاگا جائے' قرآن حکیم کی تلاوت کی جائے' سمجھ بوجھ حاصل کی جائے' اس میں غور و فکر کیا جائے۔ ذرا غور کیجیے' قیام اللیل کے حوالے سے "تطوعاً" کا لفظ آیا ہے۔ اس میں بڑی حکمت ہے۔ رات کا طویل قیام بڑا مشقت کا کام ہے۔ محنت پیشہ اور مزدور طبقات کے لیے دن بھر محنت کے بعد رات کو دو تہائی یا نصف شب جاگنا آسان نہیں ہوتا یہ تکلیف مالا یطاق ہے' اس لیے فرض نہیں کیا گیا' بلکہ مرضی پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

قیام اللیل کا کیا مطلب ہے؟ اس کا مطلب قرآن حکیم کے ساتھ دو تہائی نصف یا ایک تہائی رات جاگنا ہے۔ سورۃ المزمل میں فرمایا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝۱ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۲ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۝۳ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۝۴﴾ یعنی "اے کپڑے میں لپٹنے والے کھڑا رہ رات کو مگر کسی رات' آدھی رات' آدھی یا اس سے تھوڑا سا کم کر دے' یا اس پر زیادہ کر اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھ"۔ گویا دو تہائی' نصف یا ایک تہائی شب کو جاگنا ہے۔

حضرت عمرؓ کا مقررہ کردہ تراویح کا نظام قیام اللیل کی کم سے کم صورت ہے اور ہر قسم کے لوگوں کے لیے ہے' جو لوگ صحیح معنوں میں رمضان کی برکات سے مستفید ہونا چاہئیں انہیں چاہیے کہ وہ رات کا دو تہائی' آدھا یا ایک تہائی حصہ جاگ کر گزاریں

اور اس میں کرنا کیا ہے؟ ﴿وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا﴾ اس میں قرآن حکیم کو ٹھہر ٹھہر کر' اس کے انوار کو اپنے اندر جذب کر کے پڑھنا ہے۔ یہ ہے قیام اللیل' جو آغاز میں فرض تھا جب کہ باقی نمازیں ابھی فرض نہیں ہوئی تھیں۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ اور آپ کے اصحابؓ راتوں کو طویل قیام فرمایا کرتے تھے۔ جس کا ذکر اسی سورۃ (المزمل آیت 20:) کے آخر میں فرمایا: ﴿اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَاۗىِٕفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ......﴾ یعنی "(اے نبیؐ) تیرا رب جانتا ہے کہ آپ اور آپ کے ساتھی رات کو دو تہائی' آدھی یا کم سے ایک تہائی شب کھڑے رہتے ہیں۔ اب رمضان المبارک میں قیام اللیل کی یہی صورت ہوگی کہ اس کی راتوں میں دو تہائی' نصف یا ایک تہائی رات قرآن مجید کے ساتھ بسر کی جائے' جاگا جائے اور قرآن کو اپنے اندر جذب کیا جائے۔

تراویح کا موجودہ نظام جو پوری دنیا میں ہے' وہ دور

نبویؐ میں نہیں تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے ایک موقع پر صرف تین دن نماز تراویح کی جماعت کرائی ہے اور وہ بھی تہجد کے وقت' عشاء کے وقت نہیں۔ اور اس میں آپؐ نے آٹھ رکعات پڑھیں' جو بالعموم تہجد میں پڑھا کرتے تھے۔ چوتھے دن صحابہ کرامؓ آپ ﷺ کا انتظار کرتے رہے لیکن آپ تشریف نہیں لائے۔ اگلی صبح آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ اگر میں یہ نماز تمہیں مسلسل پڑھاؤں تو تم پر فرض ہو جائے گی۔ یہ آپ ﷺ کی رحمت للعالمینی کا مظہر ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ کے دل میں جو رافت اور رحمت مخلوق کے لیے ہے نبی کے قلب مبارک میں وہ رحمت امت کے لیے تھی۔

تراویح کی موجودہ صورت حضرت عمرؓ کے اجتہاد کا نتیجہ ہے۔ آپ ایک مرتبہ گشت کرنے کے بعد مسجد میں آئے۔ آپ نے دیکھا کہ کچھ لوگ ایک کونے میں کھڑے حافظ قرآن کی قراءت سن رہے ہیں۔ کچھ لوگ دوسرے کونے میں کھڑے قرآن مجید کی سماعت کر رہے ہیں۔ حضرت عمر فاروقؓ نے سوچا کہ کیوں نہ انہیں ایک امام کے پیچھے جمع کر دیا جائے۔ لہٰذا آپؓ نے فیصلہ کیا کہ بیس رکعات تراویح نماز عشاء کے ساتھ ادا کی جائیں۔ دو تہائی' نصف یا ایک تہائی رات جاگنے کی بجائے بیس تراویح کی مشقت ہر شخص برداشت کر سکتا ہے۔ اسی حکمت کے تحت حضرت عمرؓ نے یہ فیصلہ فرمایا ورنہ اصلاً صیام (روزہ) اور قیام (شب بیداری) دونوں رمضان المبارک کے متوازی پروگرام ہیں۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ (بخاری و مسلم) یعنی ''جس نے ایمان اور خود احتسابی کی کیفیت کے ساتھ رمضان کے روزے رکھے' اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیے گئے' اور جو رمضان (کی راتوں) میں کھڑا رہا (قرآن سننے اور سنانے کے لیے) ایمان اور خود احتسابی کی کیفیت کے ساتھ' اس کی بھی سابقہ تمام خطائیں بخش دی گئیں''۔ ایک اور حدیث حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے مروی ہے۔ آپؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اَلصِّيَامُ وَالْقُرْاٰنُ يَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ يَقُوْلُ الصِّيَامُ مَنَعْتُهُ الطَّعَامَ وَالشَّهَوَاتِ بِالنَّهَارِ فَشَفِّعْنِيْ فِيْهِ وَيَقُوْلُ الْقُرْاٰنُ مَنَعْتُهُ النَّوْمَ بِاللَّيْلِ فَشَفِّعْنِيْ فِيْهِ فَيُشَفَّعَانِ'' (رواہ البیہقی فی شعب الایمان) یعنی ''روزہ اور قرآن دونوں بندے کی سفارش کریں گے۔ روزہ عرض کرے گا' اے میرے پروردگار! میں نے اس بندے کو دن بھر کھانے (اور پینے) اور نفس کی خواہشات پورا کرنے سے روکے رکھا تھا' تو میری سفارش اس کے حق میں قبول فرما۔ اور قرآن کہے گا کہ میں نے اسے رات کو سونے سے روکے رکھا۔ (پروردگار) اس کے حق میں میری سفارش قبول فرما۔ چنانچہ روزہ اور قرآن دونوں کی سفارش قبول کی جائے گی (اور بندے کے لیے جنت اور مغفرت کا فیصلہ فرما دیا جائے گا)۔''

سوال یہ ہے کہ کیا نماز تراویح کے لیے عشاء کی نماز کے ساتھ کم و بیش ایک گھنٹہ جاگ لینا ''مَنَعْتُهُ النَّوْمَ'' کا مصداق بن جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ نہیں' لیکن چونکہ یہ حضرت عمر فاروقؓ کا اجتہاد ہے اور ہمیں حکم ہے کہ مسلمانو تم پر میری سنت کا اتباع اور میرے خلفائے راشدین مہدیین کے طریقے کی پیروی لازم ہے۔ لہٰذا ہمارے (یعنی اہلسنت والجماعت کے چاروں مسالک کے) ہاں تراویح کا یہ نظام پایا جاتا ہے۔ البتہ اہل الحدیث حضرات اس کو نہیں مانتے۔ وہ آٹھ رکعات تراویح پڑھتے ہیں۔ بے شک نبیؐ سے آٹھ تراویح ہی ثابت ہیں لیکن حضور ﷺ سے تو یہ تین دن جماعت کے ساتھ ثابت ہیں' اگر حدیث پر پورا عمل کرنا ہے تو پھر پورے رمضان میں باجماعت تراویح پڑھانا درست نہیں ہوگا۔ تین دن کے علاوہ باقی دنوں میں تراویح انفرادی طور پر پڑھی جائیں گی۔

بلاشبہ تراویح کا موجودہ نظام اس حوالے سے مفید ہے کہ لوگ سماعت قرآن سے بالکل محروم نہیں رہ جاتے۔ لیکن محض اسی پر اکتفا کر لینا بڑی بدقسمتی کا باعث ہے' کیونکہ اس کے نتیجہ میں قیام اللیل کا تصور سرے سے لوگوں کے ذہنوں سے اوجھل ہو گیا ہے۔ تراویح ہی کو ہمیشہ کے لیے کافی سمجھ لیا گیا ہے۔ حالانکہ حضرت عمرؓ کا مقرر کردہ نظام قیام اللیل کی کم سے کم صورت ہے اور ہر قسم کے لوگوں کے لئے ہے۔ رہ گئے وہ لوگ جو صحیح معنوں میں روزے اور رمضان کی برکات سے مستفید ہونا چاہیں' ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ رات کا دو تہائی' آدھا یا ایک تہائی حصہ جاگ کر گزاریں۔

اس کا طریقہ کیا ہو؟ ہمارے ہاں یہ طریقہ رائج ہے کہ قاری صاحب کے پیچھے لوگ بیس تراویح پڑھتے ہیں' لیکن عربی سے ناواقفیت کی وجہ سے انہیں خبر نہیں ہوتی کہ قاری صاحب نے کیا پڑھا ہے۔ اکثر و بیشتر خود پڑھنے والے کو بھی پتہ نہیں ہوتا کہ میں کیا پڑھ رہا ہوں' کیونکہ اکثر قراء حضرات قرآن مجید کے حافظ تو ہوتے ہیں' عالم نہیں ہوتے۔ انہیں محض الفاظ قرآنی حفظ ہوتے ہیں۔ انہیں عربی نہیں آتی' لہٰذا قرآن کے معانی اور مطالب سے ناواقف ہوتے ہیں۔ اگرچہ ہم یہ ہرگز نہیں کہتے کہ ان تراویح کا ثواب نہیں ہے۔ ان تراویح کا مسلمانوں کو یقیناً ثواب ملے گا۔ وہ اللہ کی راہ میں وقت لگا رہے ہیں' لیکن اس سے رمضان اور قرآن حکیم کی اصل برکات آدمی کو حاصل نہیں ہو سکتیں۔ اس کے لیے تو لازم ہے کہ وہ قرآن کو سنتے ہوئے اسے سمجھیں کہ کیا پڑھا جا رہا ہے۔

اس مقصد کے لیے شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ نے اپنی خانقاہ (سہارنپور) میں ایک طریقہ کار اختیار کیا تھا۔ جس کے تحت لوگ چار رکعات پڑھ کر منتشر ہو جاتے تھے' اپنے ذکر اذکار' نوافل کی ادائیگی اور تلاوت قرآن میں مشغول ہو جاتے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد دوبارہ جمع ہو کر مزید چار رکعات پڑھتے اور پھر منتشر ہو جاتے تھے۔ اس طرح وہ نماز عشاء سے سحری تک جاگتے تھے۔ اس طریقہ کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے قرآن کے ساتھ جاگنے' اسے پڑھنے اور سننے کا مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔ وقفوں کے دوران آدمی اپنے طور پر قرآن با ترجمہ پڑھ سکتا ہے۔ کسی قاری صاحب سے ترجمہ اور تفسیر پڑھی جا سکتی ہے' اور وقفے کے بعد تراویح میں قرآن کی سماعت کرتے ہوئے کلام الٰہی کا کچھ نہ کچھ مفہوم انسان کے ذہن میں ضرور آ جاتا ہے۔

حضرت مولانا زکریاؒ کے اس طریقہ کار کو ہم نے (تھوڑی سے ترمیم و اضافہ کے ساتھ) بیس برس قبل (85-1984ء میں) اختیار کیا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ لوگ عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد بیٹھ جاتے ہیں اور پہلی چار تراویح میں امام صاحب جو کچھ قرآن پڑھتے ہیں' ان کا ترجمہ اور تشریح بیان کر دی جاتی ہے۔ اب کھڑے ہو کر چار رکعات پڑھی جاتی ہیں۔ ترجمہ اور تشریح کی گئی آیات کو مقتدی ان چار رکعات میں سنتے ہیں تو ان آیات کا کچھ نہ کچھ مفہوم ذہن میں آ جاتا ہے' وحی کی برکات اور قرآن کے انوار دل میں جذب ہو جاتے ہیں۔ چار تراویح کے بعد پھر اگلی چار رکعات میں پڑھے جانے والے قرآن کا ترجمہ و تشریح لوگ سنتے ہیں اور اس کے بعد کھڑے ہو کر اگلی چار رکعات پڑھی جاتی ہیں۔ اس ترتیب سے بیس تراویح باجماعت کا پروگرام تقریباً پانچ گھنٹے میں اپنے اختتام کو پہنچ جاتا ہے۔ یوں اللہ کے فضل و کرم سے آدھی شب کے برابر شب بیداری بھی ہو جاتی ہے' اور حضرت عمرؓ کے اجتہاد کے مطابق بیس رکعات بھی ادا کر لی جاتی ہیں۔

اس پروگرام کا حاصل اور مدعا یہ ہے کہ اس سے قرآن مجید کی عظمت دلوں پر منکشف ہو جائے جب ایسا ہوگا تو قرآن دلوں کے اندر جذب ہوگا۔ دل کی کھیتی میں بارش کی پھوار پڑے گی' دل کو ایک نئی زندگی ملے گی۔ انسان کو قرآن مجید کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ ہوگا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم رمضان المبارک کے دوران روزے کی برکات اور قیام اللیل کے ثمرات سے مستفید ہوں۔

تنظیم اسلامی کا پیغام
نظام خلافت کا قیام

قیامت کا سماں

امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید صاحب کے زلزلہ سے متاثرہ علاقوں کے دورہ کے اجمالی تاثرات

امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید صاحب نے ناظم اعلیٰ اظہر بختیار خلجی کی معیت میں گزشتہ دنوں زلزلہ سے متاثرہ علاقوں کا دورہ کیا اور وہاں موجود تنظیمی ساتھیوں اور احباب کے احوال معلوم کرنے اور اُن سے ملاقات کر کے اس مشکل گھڑی میں ان کے دکھ درد میں شریک ہونے کے ساتھ ساتھ متاثرین کے لیے امدادی سامان کی ترسیل اور ریلیف کے کاموں کے لیے ایک مربوط نظام بھی تشکیل دیا۔ قبل ازیں امیر تنظیم ماہ رمضان المبارک میں دورۂ ترجمہ قرآن کی ذمہ داری نبھانے کی خاطر کراچی میں مقیم تھے۔ لیکن اس ناگہانی آفت اور حالات کی سنگینی کے باعث باہم مشورے کے بعد یہ ذمہ داری اپنے ایک معزز ساتھی کو سونپ کر اسلام آباد تشریف لے گئے۔ زلزلے سے متاثرہ علاقوں بالخصوص آزاد کشمیر کے چار روزہ دورے سے لاہور واپسی ہوئی تو 15 اکتوبر کی شب مسجد جامع القرآن' قرآن اکیڈمی میں ترجمہ قرآن کے پروگرام میں شریک رفقاء و احباب کے سامنے انہوں نے اپنے اِس دورے کے تاثرات اجمالی طور پر بیان کیے۔ ان کی یہ گفتگو ذیل میں ہدیہ قارئین کی جا رہی ہے۔ (ادارہ)

نَحْمَدُهٗ و نُصَلِّي عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ اَمَّا بَعْد

فَاَعُوْذُ باللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ① يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ② (الحج)

''لوگو! ڈرو اپنے رب سے بے شک قیامت کا زلزلہ ایک بڑی چیز ہے۔ (اے مخاطب!) جس دن تُو اس کو دیکھے گا (اس دن یہ حال ہوگا کہ) تمام دودھ پلانے والی عورتیں اپنے بچوں کو بھول جائیں گی اور تمام حمل والیوں کے حمل گر پڑیں گے اور لوگ تجھ کو نشے میں مدہوش نظر آئیں گے مگر وہ نشے میں مدہوش نہیں ہوں گے بلکہ (عذاب دیکھ کر مدہوش ہو رہے ہوں گے) بے شک اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے۔''

میں گزشتہ چار روز سے زلزلہ سے متاثرہ علاقے کے دورے پر تھا' خاص طور پر آزاد کشمیر کا بہت بڑا علاقہ اور اس سے ملحق جو پاکستان کا علاقہ ہے' بیروٹ' باسیاں وغیرہ کہ مری سے کوہالہ کے راستے جب آزاد کشمیر جاتے ہیں تو کوہالہ کے پل سے متصلاً پہلے یہ آبادیاں واقع ہیں۔ ان سب علاقوں میں زلزلہ کی تباہ کاریوں کا بچشم سر مشاہدہ کرنے' وہاں کے حالات کا جائزہ لینے اور وہاں کے لوگوں کے تاثرات اور احساسات کو جاننے کا موقع ملا۔

میرے اس دورے کا اصل مقصد یہ تھا کہ ان علاقوں میں مقیم تنظیم اسلامی کے رفقاء کی خیریت دریافت کی جائے' ان کے حالات سے آگاہی حاصل کی جائے' انہیں ضروری امدادی سامان پہنچایا جائے اور ان کے ذریعے دیگر مستحق افراد تک امداد پہنچائی جائے' کیونکہ مقامی لوگ زیادہ بہتر طور پر یہ جاننے کی پوزیشن میں ہوتے ہیں کہ کس طرح سے متاثرہ لوگوں کی مدد کی جائے اور کون لوگ زیادہ مستحق ہیں۔ چنانچہ ہم نے اللہ کی تائید و توفیق سے وہاں پر ایک نظام (System) بھی وضع کیا تاکہ تنظیمی سطح پر ریلیف کا کام بھرپور طور پر سرانجام دیا جا سکے۔

> زلزلہ کی شدت دیکھ کر سورۃ الحج کی آیت یاد آئی: ''اور تم دیکھو گے کہ دودھ پلانے والیاں اپنے بچوں کو بھول جائیں گی''۔

جن علاقوں کا دورہ کرنے کا ہمیں موقع ملا' ان میں سب سے پہلے بیروٹ اور باسیاں کا علاقہ تھا جو کہ پاکستان کی حدود کے اندر واقع ہے' اور یہاں بھی زلزلے کے شدید اثرات صاف نظر آتے ہیں۔ ان علاقوں میں مالی نقصان تو بہت ہوا ہے۔ کوئی مکان نہیں جو پورے طور پر سلامت رہا ہو' سوائے اِکا دُکا مکانات کے۔ بہت سے گھر تو پورے طور پر منہدم ہو گئے ہیں' بعض کا جزوی طور پر انہدام ہوا ہے۔ جانی نقصان بھی یہاں ہوا ہے' مگر بہت زیادہ نہیں۔ بعد ازاں مظفر آباد جانا ہوا' جہاں بہت ہولناک تباہی ہوئی ہے۔ یہ شہر دراصل پہاڑوں کے دامن میں واقع ہے۔ زلزلے کے نتیجے میں پہاڑوں سے "Land Sliding" ہوئی ہے۔ مٹی کے بڑے بڑے تودے گرنے سے بے شمار آبادیاں کچھ اس طرح دفن ہو گئی ہیں کہ وہاں سے کسی کو نکل بھاگنے کا موقع بھی نہیں ملا۔ بعض پہاڑیاں اپنی آبادیوں سمیت نیچے آ گئیں۔ چنانچہ شہر کا بہت بڑا علاقہ ایسا ہے کہ وہاں کسی کے زندہ بچنے کی توقع نہیں۔ وہاں سے لوگوں کو زندہ یا مردہ نکالنے کا بھی کوئی امکان بظاہر نظر نہیں آتا۔

اسی طرح بڑی عمارتیں بری طرح تباہ ہوئی ہیں۔ وہاں کا مشہور ''نیلم ہوٹل'' جو دریائے نیلم کے کنارے واقع ہے اور چار پانچ منزلہ ہے' وہ اس بری طرح مسمار ہوا ہے کہ زمین کے بالکل برابر ہو گیا ہے۔ اس میں جو بھی لوگ موجود تھے' پس کر سُرمہ بن گئے ہوں گے۔ بعد ازاں کوہالہ سے باغ شہر کے راستے میں سڑک پر واقع بعض قصبات چمن کوٹ اور دھیر کورٹ سے گزرنے کا بھی موقع ملا۔ اندازہ

ہوا کہ وہاں پر جانی و مالی نقصان نسبتاً کم ہوا ہے۔ البتہ باغ جو ضلعی ہیڈ کوارٹر بھی ہے اور علاقے کا بڑا شہر ہے' یہاں تباہی کے بہت ہولناک مناظر دیکھنے کو ملے۔ شہر کا مرکزی حصہ اور مین بازار تقریباً مکمل طور پر تباہ ہو چکے ہیں۔ پورے علاقے پر ویرانی اور وحشت کا راج ہے۔ اب مظفر آباد اور باغ شہر کے مرکزی علاقوں میں جانے کی اجازت بھی نہیں ہے کیونکہ وہاں پر تعفن پھیل رہا ہے' لاشوں کو نکالنا ممکن نہیں ہے اور حالات بہت ہی مخدوش ہیں۔ ہاں' صرف تربیت یافتہ رضا کار جو ماسک پہن کر وہاں جائیں' سپرے کریں اور وہاں پر امدادی کام کی فنی مہارت رکھتے ہوں' صرف وہی جا سکتے ہیں۔

ضلع باغ میں شامل بعض دیگر آبادیوں اور قصبات میں بھی جانے کا موقع ملا۔ رانگلہ ایک گاؤں ہے جو باغ اور وادیٔ جہلم کے درمیان ایک پہاڑی سلسلے پر واقع ہے' جیسے ہمارا مری سے ملحق گلیات کا علاقہ ہے کہ آپ پہاڑی سلسلے کی چوٹی کے قریب اوپر ہی اوپر سفر کرتے ہیں اور وہاں جابجا آبادیاں موجود ہیں' مثلاً ڈونگہ گلی' چھانگلہ گلی' نتھیا گلی وغیرہ۔ اسی طرح آزاد کشمیر میں واقع تمام سلسلہ ہائے کوہ کے اوپر جابجا آبادیاں موجود ہیں۔ یہاں بھی زلزلے کی ہلاکت خیزی بہت ہولناک تھی۔ چنانچہ رانگلہ میں جو غالباً چند سو افراد کی آبادی پر مشتمل چھوٹا سا گاؤں ہے' وہاں دو سو سے زیادہ اموات ہوئی ہیں۔ ہمارے دوستوں نے بتایا کہ یہ وہ لوگ تھے جو باقاعدہ جنازے کے ساتھ دفن کیے گئے۔ رانگلہ سے ملحق اور آبادیاں بھی بری طرح تباہ و برباد ہوئی ہیں۔ الغرض ان علاقوں میں جا بجا تباہی و بربادی کے خوفناک اور عبرتناک مناظر ملے۔ قرآن مجید میں جو الفاظ آئے ہیں: ﴿وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا﴾ (البقرہ:259) "(بعض بستیوں پر جب عذاب آیا اللہ کا تو) وہ اپنے سہاروں پر الٹی پڑی تھی' اوندھی گری ہوئی تھی" تو واقعتاً اسی قسم کا منظر اس وقت وہاں پر دیکھنے کو ملتا ہے۔ اسی طرح الفاظ قرآنی ﴿لَا يُرٰۤى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ......﴾ کے مصداق بے شمار تباہ شدہ مکانات و مساکن وہاں موجود ہیں لیکن ان آبادیوں میں اب کوئی زندہ' متنفس موجود نہیں ہے۔ صرف کھنڈرات ہیں جو نظر آتے ہیں۔

زلزلے کی شدت کے حوالے سے مقامی لوگوں کے تاثرات کو سن کر بے ساختہ سورۃ الحج کی ابتدائی آیات یاد آئیں: ﴿يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ﴾: "اس دن تم دیکھو گے دودھ پلانے والیاں اپنے بچوں کو بھول جائیں گی"۔ ایسی شدت کی آفت تھی' ایسا ہیبت ناک تجربہ تھا اور بدحواسی اور نفسا نفسی کا یہ عالم تھا کہ لوگوں کے بقول مائیں اپنے بچوں کو بھول گئیں۔ ہر ایک کو اپنی پڑی تھی کہ کسی طرح وہ بچ جائے۔ وہاں کے لوگوں کا کہنا تو یہ ہے کہ صرف ضلع باغ کے اندر جاں بحق ہونے والوں کی تعداد ایک لاکھ سے متجاوز ہے۔ گویا آزاد کشمیر کے صرف ایک ضلع میں اتنی بڑی تباہی ہوئی ہے۔ اسی طرح مظفر آباد کے لوگوں کا خیال ہے کہ وہاں پر جو ہلاکتیں ہوئی ہیں وہ ایک لاکھ سے کم نہیں ہیں۔ بے گھر ہونے والوں کی تعداد 20 لاکھ سے زیادہ ہے۔ جو گھر مسمار ہونے سے بچ بھی گئے ہیں' ان کی چھتیں گری پڑی ہیں۔ ان کی دیواروں میں دراڑیں پڑی ہوئی ہیں۔ ایسی حالت میں ان کے اندر داخل ہوتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔ چنانچہ وہاں کے مکین بھی اپنے گھروں میں داخل نہیں ہو رہے۔ وہ سب باہر کھلے میدان میں پڑاؤ کیے ہوئے ہیں۔

آزاد کشمیر میں سرکاری عمارتوں کی بربادی کے ساتھ ساتھ سرکاری اہل کاروں اور انتظامیہ کے ارکان کی ہلاکت بھی بہت بڑے پیمانے پر ہوئی ہے۔ چونکہ مظفر آباد آزاد کشمیر کا صدر مقام اور ضلعی ہیڈ کوارٹر بھی ہے' وہاں پر سرکاری عمارتیں بہت زیادہ تھیں۔ نوے پچانوے فیصد عمارتیں بالکل تباہ و برباد ہو گئیں۔ صبح نو بجے زلزلہ آیا' ظاہر ہے اس وقت تک تمام عملہ دفاتر میں پہنچ چکا ہوتا ہے۔ ان عمارات میں کام کرنے والے اکا دکا لوگ ہی معجزانہ طور پر بچے ہیں' ورنہ سب جاں بحق ہو گئے۔ یہی معاملہ ضلع باغ کا ہوا۔ باغ شہر بھی ضلعی صدر مقام ہے۔ گویا مظفر آباد اور باغ میں عملاً کوئی انتظامی ادارہ سرے سے موجود ہی نہیں رہا۔ چنانچہ پورے علاقے میں بدنظمی' بے انتظامی اور افراتفری کا راج تھا۔ تیسرے دن ہمیں نظر آیا کہ فوج کے کچھ لوگ وہاں پہنچے ہیں اور کچھ انتظامی معاملات سنبھالنے کی کوشش میں ہیں ورنہ انتظامیہ نام کی کوئی شے وہاں قطعاً موجود نہیں تھی۔ کسی کا کوئی پرسانِ حال نہ تھا۔ امدادی سامان کے جو ٹرک قطار اندر قطار وہاں پہنچ رہے ہیں ان کی رہنمائی کرنے والا کوئی نہیں ہے کہ امداد کہاں پہنچانی ہے' کہاں ضرورت زیادہ ہے' کہاں کم ہے۔ کسی کو کچھ خبر نہیں۔ شدید بدنظمی اور افراتفری کی کیفیت ہے۔ اب فوج نے آ کر معاملے کو کچھ سنبھالا ہے' لیکن وہ بھی مطلوبہ معیار سے بہت کم ہے۔

یہ بھی امر واقعہ ہے کہ فوج کا اپنا نقصان اس علاقے میں بہت ہوا۔ دھیر کوٹ سے باغ کو جاتے ہوئے ارجہ کے مقام کے قریب چھاؤنی ہے' آرمی کے بیرکس ہیں۔ ان کا منظر ہم نے دور سے دیکھا تو ایسے لگا جیسے چھاؤنی پر کارپٹ بمباری (Carpet Bombing) ہوئی ہو۔

صرف ضلع باغ میں جاں بحق ہونے والوں کی تعداد ایک لاکھ سے متجاوز ہے' مظفر آباد کے لوگوں کے مطابق وہاں بھی تقریباً ایک لاکھ ہلاکتیں ہوئی ہیں اور مجموعی طور پر بیس لاکھ افراد بے گھر ہوئے

یہ فوجی مرکز پوری طرح تباہ و برباد ہو گیا ہے۔ اس کے علاوہ جو فوجی مورچوں میں تھے' جو پہاڑی علاقوں میں تھے' ہمیں بتایا گیا کہ ان کی ہلاکتیں بہت بڑے پیمانے پر ہوئی ہیں۔ واللہ اعلم!

سڑکوں کا حال بہت خراب ہے۔ کوہالہ سے مظفر آباد تک سڑک کھول تو دی گئی ہے لیکن اس میں جگہ جگہ دراڑیں پڑی ہوئی ہیں۔ اسی طرح بہت زیادہ Land Slides کی وجہ سے سڑک جابجا رک گئی تھی۔ اسے بعض جگہ سے کھولا گیا ہے۔ مگر گنجائش اتنی ہے کہ صرف کہ ایک گاڑی گزر سکتی ہے۔ گاڑیوں کا ہجوم بے پناہ ہے۔ چنانچہ کوہالہ سے مظفر آباد تک جو عام طور پر زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹے کا راستہ ہے وہ چار سے چھ گھنٹے میں طے ہوتا ہے۔ یہی صورتِ حال باغ کی طرف جانے والے راستہ کی ہے۔ جو اسی طرح بہت زیادہ Land Slides کی وجہ سے سڑک جگہ جگہ سے بند ہو گئی تھی۔ اسے ہنگامی بنیادوں پر کھولنے کا اہتمام کیا گیا ہے مگر مظفر آباد تک کے راستے میں بے شمار مقامات ایسے ہیں جہاں کھولا گیا راستہ اتنا تنگ ہے کہ بمشکل ایک گاڑی گزر سکتی ہے۔ جبکہ گاڑیوں کا ہجوم بے پناہ ہے اور ٹریفک جابجا بلاک ہوتی ہے۔ چنانچہ کوہالہ سے مظفر آباد تک جو عام طور پر زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹے کا راستہ ہے وہ چار سے چھ گھنٹے میں طے ہوتا ہے۔ یہی صورتِ حال کوہالہ کے پل سے براستہ دھیر کوٹ باغ کی طرف جانے والے راستہ کی ہے۔ وہاں پر بھی سڑک کی حالت بہت خراب ہے۔ اور اس میں زلزلہ اور لینڈ سلائیڈنگ کی وجہ سے بڑے بڑے پتھر لڑھک کر سڑک پر آ گئے ہیں جو ٹریفک میں رکاوٹ ہیں۔ البتہ یہ بات مشاہدے میں آئی کہ اتنے شدید زلزلے کے باوجود اُن علاقوں میں تمام پل بحیثیت مجموعی محفوظ ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہوا۔ ان پلوں پر سے ٹریفک رواں دواں ہے۔ مجھے کوئی پل بھی وہاں ٹوٹا ہوا نظر نہیں آیا۔ اسی طرح مساجد بھی بحیثیت مجموعی محفوظ ہیں۔ جزوی طور پر شہید ہوئی ہیں۔ بعض مساجد کے بارے میں پتا چلا کہ کلی طور پر مسمار بھی ہوئی ہیں۔

جہاں تک وہاں کے لوگوں کا تعلق ہے جن پر یہ افتاد پڑی ہے' آزمائش آئی ہے' وہ تو اس وقت اپنی بقا کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ اس قدر جانی نقصان ہوا کہ ایک ایک گھر میں کئی کئی جنازے اٹھے اور بعض گھر تو پورے کے پورے تباہ ہوئے ہیں' سوگ کے لیے ان کے رشتہ داری

رہ گئے ہیں۔صدمہ اور رنج سے نڈھال لوگوں کا کہنا ہے کہ ان کے آنسو اب خشک ہو چکے ہیں۔اب انہیں اپنی بقا کی جنگ لڑنی ہے۔اس وقت سب سے بڑا مسئلہ ہے کہ خیمے دستیاب نہیں ہیں۔دستیاب خیموں کی تعداد ضرورت سے بہت کم ہے۔چنانچہ لوگ اپنے بچوں اور زخمیوں سمیت باہر کھلی جگہ پڑے ہیں' بلند پہاڑی مقامات پر سردی بہت شدید ہے۔اور پھر بارشیں بھی ہو رہی ہیں۔ژالہ باری بھی ہوئی ہے۔میرے سامنے بھی اولے گرے ہیں۔صورتحال بہت خوفناک ہے۔

چنانچہ سب سے زیادہ شدید ضرورت ان کو خیموں اور کمبلوں کی فراہمی کی ہے یا پھر متاثرین کو طبی امداد کی سخت ضرورت ہے۔ان کے مریضوں کو ہسپتال پہنچانا بھی آسان نہیں۔اصل مسئلہ یہ ہے کہ باغ اور مظفر آباد کے شہروں یا مین روڈ کے کنارے جو آبادیاں ہیں ان تک تو امدادی سامان بھی پہنچ رہا ہے' وہاں ڈاکٹرز کی ٹیمیں بھی آ رہی ہیں۔میڈیکل کیمپ بھی کچھ نہ کچھ موجود ہیں۔اور پھر یہ کہ سامان سے بھرے ٹرک مسلسل پہنچ رہے ہیں جو Unload ہونا چاہتے ہیں۔لیکن ان کی کوئی رہنمائی کرنے والا نہیں ہے۔چنانچہ راستے میں کھڑے ہو کر امدادی سامان تقسیم کرتے یا اتار پھینکتے ہیں۔اور اس طرح سڑک کے کنارے آباد لوگوں یا عارضی طور پر مقیم لوگوں تک سامان رسد بآسانی پہنچ جاتا ہے' لیکن جو پہاڑوں کے اوپر بے شمار دیہات' قصبات اور چھوٹی آبادیاں ہیں وہاں تک امداد نہیں پہنچ رہی۔وہاں ریلیف پہنچانے والے لوگ بہت کم ہیں۔کیونکہ بہت سے علاقوں تک رسائی نہیں ہو سکتی۔ان لوگوں کے المیہ پر بہت زیادہ توجہ کی ضرورت ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس موقع پر پاکستانی قوم نے خدمت خلق اور جذبہ ہمدردی کا شاندار مظاہرہ کیا ہے۔بہت بڑی تعداد میں سامان سے لدے ہوئے ٹرک وہاں پہنچ رہے ہیں۔اور مسلسل پہنچ رہے ہیں۔میلوں کی قطاریں لگی ہوئی ہیں۔جب ٹریفک رکتی ہے تو اس کو کھولنے کے لیے کافی محنت کرنا پڑتی ہے۔ملک بھر سے بے شمار امدادی ٹیمیں اور رضا کار امدادی سامان کے ساتھ وہاں پہنچ رہے ہیں۔لیکن یہ بھی امر واقع ہے کہ انتہا درجے کی بدنظمی اور افراتفری ہے۔کوئی گائیڈ کرنے والا نہیں ہے۔پھر جو لوگ خدمت خلق کے جذبے سے سرشار باغ' مظفر آباد یا آزاد کشمیر کے دیگر متاثرہ علاقوں میں پہنچتے ہیں ان کے کھانے پینے کے لیے کوئی انتظام نہیں ہے۔ٹھہرنے کے لیے کوئی ہوٹل باقی نہیں بچا۔کوئی بازار نہیں رہا جہاں سے ضروریات کی چیزیں حاصل کی جا سکیں۔اور حکومت کی طرف سے ابھی تک کوئی باقاعدہ انتظام نظر نہیں آیا۔

اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ لوٹ مار کے واقعات بھی بکثرت ہوئے۔شر پسند عناصر جو وہاں موجود ہیں ان مواقع سے بھی فائدہ اٹھاتے ہیں اور امدادی سامان لانے والے ٹرکوں کو لوٹتے رہے ہیں۔شیطان کے چیلے تو ہر وقت اور ہر جگہ موجود رہتے ہیں۔کچھ ضرورت مند لوگ بھی بے حال ہو کر امدادی سامان کے حصول کے لیے ٹرکوں پر حملے کرتے ہیں۔ملی جلی کیفیات ہیں۔فوج کے آ جانے سے ان شر پسند عناصر کو کنٹرول کرنے میں کسی حد تک کامیابی ہوئی ہے۔اگرچہ شروع میں اس حوالے سے بہت نقصانات ہوئے ہیں۔

اصل ضرورت یہ ہے کہ ان بے شمار مقامات تک امدادی سامان پہنچایا جائے جہاں تک ابھی تک کوئی نہیں پہنچا' سب سے پہلے وہاں خیمے پہنچائیں جائیں۔ہم جہاں بھی گئے لوگوں نے سب سے پہلا سوال یہ کیا کہ آپ کے پاس ٹینٹ ہیں یا نہیں۔وہ کھلے آسمان تلے جس طرح گزارہ کر رہے ہیں اس کا وہیں جا کر اندازہ ہو سکتا ہے۔جس پیمانے پر خیمے درکار ہیں' اتنے خیمے عملاً موجود نہیں ہیں۔چنانچہ ہم نے بھی پشاور سے کراچی تک ہر جگہ خیموں کے لیے رابطے کیے لیکن کہیں سے بھی دستیاب نہیں ہوئے۔جو تھوڑے بہت دستیاب ہوئے وہ تقسیم کیے اور مزید کا آرڈر دیا ہے۔لیکن اصل ضرورت اس کی ہے کہ لوگوں کو خیموں کی شکل میں عارضی چھت فوری طور پر مہیا کی جائے' پناہ گاہ فراہم کی جائے اور پھر یہ کہ جو امدادی سامان ہے اُسے کسی طریقے سے مستحقین اور ضرورت مندوں تک پہنچایا جائے۔جو آبادیاں سڑکوں کے کنارے ہیں ان میں سے بعض کے لیے شاید آئندہ ایک سال کا راشن اکٹھا ہو گیا ہو۔اس لیے کہ ساری امداد وہیں تقسیم کر دی جاتی ہے۔لیکن بے شمار مستحقین ہوں گے کہ کوئی شے ان تک نہیں پہنچی اور یہ اصل میں تو حکومت کے کرنے کا کام ہے۔فوج بہت بڑا ادارہ ہے اسے ایک سپیشل مشن کے تحت یہ سارے معاملات ہینڈل کرنا چاہئیں۔اور دشوار گزار مقامات تک پہنچنے کی ان کی استطاعت کو پورے طور پر بروئے کار لا کر ڈسپلن کے ساتھ اس معاملے کو آگے بڑھانا چاہئے اس ضمن میں فوج کے تربیت یافتہ خچروں سے بڑا مفید کام لیا جا سکتا ہے۔

بہر حال یہ ہیں وہ کیفیات جو مختصراً آپ کے سامنے رکھ دی ہیں۔ہم سب کے لیے یہ آزمائش بھی ہے اور جائے عبرت بھی۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو اور پوری قوم کو اس آزمائش پر پورا اترنے کی اور اس معاملے سے سبق حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین!

---

14 اکتوبر 2005ء

پریس ریلیز

عوام نفاذِ اسلام کے لیے بھی متحد ہو جائیں' تو زلزلہ سے خیر برآمد ہو سکتا ہے۔شاہد اسلم

موجودہ حالات میں قوم جس طرح یکجان ہوئی ہے اسی طرح اگر وہ وطن عزیز میں نفاذ اسلام کے لیے متحد ہو جائے تو اس تباہ کن زلزلے سے بھی خیر برآمد ہو سکتی ہے۔لیکن اگر حکمرانوں اور عوام دونوں نے اللہ سے بغاوت کی روش ترک نہ کی تو اللہ کی پکڑ مزید سخت ہو سکتی ہے۔یہ بات ناظم تربیت تنظیم اسلامی شاہد اسلم نے مسجد دارالسلام باغ جناح میں خطاب جمعہ کے دوران کہی۔انہوں نے کہا کہ صاحب ثروت لوگوں اور حکمرانوں کی نافرمانی قوموں کی تباہی کا ذریعہ بن جاتی ہے کیونکہ باقی لوگ طوعاً و کرھاً انہی کی پیروی کرتے ہیں۔ہمارے حکمران جس طرح روشن خیالی کے نام پر بے حیائی اور سودی معیشت کو فروغ دے رہے ہیں' وہ اللہ کے غضب کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔بہر حال مسلمان کا شیوہ یہ ہے کہ وہ جان و مال کے نقصان پر صبر کرتا ہے اور اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔لہٰذا اس وقت ہمارے حکمرانوں' دینی و سیاسی جماعتوں اور عوام کو ملک میں اسلامی نظام کے قیام کے لیے متحد ہو جانا چاہئے۔اسی طرح ہم اللہ کے غضب سے بچ سکتے ہیں۔

(جاری کردہ: شعبہ نشر و اشاعت تنظیم اسلامی)

اعتکاف کے فضائل و آداب

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

اعتکاف رمضان المبارک کی ایک خاص عبادت ہے۔ رمضان شریف کے آخری عشرے کا اعتکاف مسنون ہے۔ اعتکاف یہ ہے کہ اعتکاف کی نیت کرنے والا بیسویں روزے عصر کی نماز کے بعد غروب آفتاب سے پہلے پہلے مسجد میں آ جائے' روزہ مسجد ہی میں افطار کرے اور پھر شوال کا چاند نظر آنے پر اعتکاف مکمل کر کے مسجد سے باہر نکلے۔

قرآن مجید میں اعتکاف کا ذکر نو جگہ آیا ہے۔ اس سے اعتکاف کی اہمیت واضح ہوتی ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ عبادت گزشتہ امتوں میں بھی کسی نہ کسی صورت میں رائج رہی ہے۔ اعتکاف کا لفظ ''عکف'' سے مشتق ہے' جس کے معنی ''کسی ایک جگہ جم کر بیٹھ جانا'' ہیں۔ شرعی اصطلاح میں رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں دن رات مسجد میں جم کر بیٹھنے' اللہ کے ساتھ لو لگا کر ذکر و تلاوت میں مصروف رہنے کو اعتکاف کہتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ ہر سال رمضان المبارک میں اعتکاف کیا کرتے تھے۔ کبھی آپ نے پورے رمضان کا اعتکاف بھی کیا ہے اور کبھی بیس دن کا' مگر اکثر آخری عشرے کا اعتکاف جو امت کے لیے مسنون ہے' بڑے اونچے درجے کا ثواب کا کام ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے عمل سے ثابت ہوتا ہے کہ اعتکاف کرنے کا بڑا مقصد شب قدر کی تلاش ہے' جس کی عبادت کو قرآن مجید میں ایک ہزار مہینوں کی عبادت سے بہتر قرار دیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک سال رمضان کے پہلے دس دنوں کا اعتکاف کیا' پھر دوسرے عشرے کا اعتکاف کیا اور پھر فرمایا کہ مجھے کسی بتانے والے نے تیسرے عشرے کا اعتکاف کرنے کو کہا ہے اور بتایا ہے کہ لیلۃ القدر آخری عشرے میں ہے۔ چنانچہ آپؐ نے آخری عشرے کا اعتکاف فرمایا اور یہی اعتکاف امت کے لیے مسنون ٹھہرا۔

اعتکاف کی فضیلت اس سے زیادہ کیا ہوگی کہ رسول اللہ ﷺ اس کا ہمیشہ اہتمام فرماتے تھے اور آپ کی اس سنت پر امت کے صلحاء' اتقیاء اور عوام الناس نے بھرپور عمل کیا۔ معتکف کی مثال ایسی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے در پر جم کر بیٹھ جاتا ہے کہ جب تک میری عرض قبول نہیں ہوتی میں یہاں سے نہیں جاؤں گا۔ مسجد میں رمضان کے آخری عشرے کے شب و روز اللہ کے ذکر' مراقبے' تلاوت' قیام اور عبادت میں مصروف رہ کر گزارنا اور ضروری کاموں کے لیے بھی مسجد سے باہر نہ جانا بڑا پاکیزہ عمل ہے۔ کون شخص ایسا ہو سکتا ہے کہ جو دس دن زبان یا ہاتھ کے عمل سے ہر طرح کی برائی سے بچا رہے۔ یہ معتکف ہی ہے' جس کے دس دن یا نو دن انتہائی پاکیزہ ماحول میں کسی گناہ کے بغیر گزر جاتے ہیں۔ اس کے نادر اعمال میں یہ دن ایسے ہوتے ہیں کہ وہاں نیکی کے علاوہ کچھ درج نہیں ہوتا' ظاہر ہے جو بندہ ہمہ وقت اللہ کے دروازے پر پڑا رہے' معصیت کا کوئی کام نہ کرے' ذکر و تلاوت میں مصروف رہے' پانچوں نمازیں جماعت کے ساتھ پڑھتا رہے' رات کو نماز تراویح میں شریک ہو اور یہ سارے عمل اس حال میں ہوں کہ وہ روزے دار ہو تو رحیم و کریم کی اُس پر بے شمار رحمتیں کیوں نہ ہوں گی۔ جبکہ اللہ کی رحمت تو بندے کو پکار پکار کر اپنی طرف بلاتی ہے۔

اعتکاف کرنے والا گھر بار اور کاروبار کی مصروفیتوں سے اپنے آپ کو الگ کر لیتا ہے۔ ہر طرح کے دنیوی فکر و افکار کو چھوڑ دیتا ہے' بیوی بچوں عزیز رشتہ داروں سے میل

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے جو شخص حالت ایمان میں ثواب کی امید کرتے ہوئے اعتکاف کرتا ہے اس کے گزشتہ تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں

جول نہیں رکھتا' کوئی خرید و فروخت نہیں کرتا' فضول باتیں نہیں کرتا' اپنے روزمرہ کے مسائل چھوڑ دیتا ہے۔ ٹیلیویژن نہیں دیکھتا' نہ ہی اُسے جھوٹ بولنے' غیبت کرنے' بہتان باندھنے اور جھوٹی گواہی دینے کے مواقع ملتے ہیں۔ اس طرح اس کی شخصیت میں روحانیت پروان چڑھتی ہے۔ اگر وہ اعتکاف کے دن خوش اسلوبی اور پوری احتیاط کے ساتھ گزار لے تو یہ اعتکاف اُس کی زندگی میں انقلاب پیدا کر کے اُسے اچھا مسلمان بنا دیتا ہے جو معمول کی زندگی میں ہر طرح کی برائی اور گناہ سے بچنے کا عادی بن سکتا ہے۔

امام ابن قیم کہتے ہیں کہ اعتکاف کا مقصد اور اس کی روح دل کو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ وابستہ کر لینا ہے کہ سب طرف سے ہٹ کر اس کے ساتھ چمٹا رہے۔ ساری مشغولیتوں کو چھوڑ کر صرف خالق کے ساتھ مشغول ہو جائے۔ غیر کی طرف سے ایسا کٹ جائے کہ خیالات' تفکرات سب کی جگہ اللہ کا ذکر اور اس کی محبت سما جائے حتیٰ کہ مخلوق کے ساتھ اُنس کے بجائے اللہ کے ساتھ اُنس پیدا ہو جائے۔ یہ اُنس قبر کی وحشت میں کام دے گا جب اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا نہ کوئی مونس و غمخوار ہو گا اور نہ کوئی دل بہلانے والا۔

اعتکاف اگر پورے خلوص و آداب کے ساتھ ہو تو افضل ترین اعمال میں سے ہے۔ معتکف ذکر و عبادت میں تو مصروف رہے گا مگر وہ نیکی کے بعض بڑے بڑے کاموں کی انجام دہی سے محروم تو رہے گا مثلاً وہ کسی بیمار کی عیادت کے لیے نہیں جا سکتا' نہ ہی وہ فوت ہونے والے کے جنازہ میں شامل ہو سکتا ہے۔ اسی طرح نہ کسی ضرورت مند کی ضرورت پوری کر سکتا ہے نہ کسی مقدس و مبارک سفر پر جا سکتا ہے۔ چونکہ معتکف تو اللہ کے دروازے پر پڑا ہے' اُس کی مجبوری ہے کہ وہ اعتکاف کی وجہ سے مسجد سے نہیں نکل سکتا۔ لہٰذا اُس کو ان تمام نیک کاموں میں شامل سمجھا جائے گا جو وہ اعتکاف کی وجہ سے انجام نہیں دے سکا۔ معتکف مسجد میں آرام کرنے کے لیے دن کو یا رات کو سوتا ہے تو اُس کا وہ وقت بھی عبادت میں شمار ہوتا ہے۔

شب قدر جیسی فضیلت والی رات تلاش کرنے میں اعتکاف سے بہتر کوئی عمل نہیں۔ رسول اللہ ﷺ رمضان کے آخری عشرے میں عبادت کا بے حد اہتمام کرتے۔ راتوں کو خود بھی جاگتے اور گھر والوں کو بھی جگاتے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔ رمضان کے آخری عشرے میں حضور ﷺ تہبند کو مضبوط باندھ لیتے اور راتوں کو خود بھی جاگتے اور گھر کے لوگوں کو بھی جگاتے۔ (بخاری و مسلم) آپؐ رمضان کے آخری عشرے میں عبادت کا خصوصی اہتمام فرماتے تھے اس لیے کہ آپ کو ان ایام کی فضیلت سے آگاہ کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ آپؐ کا فرمان ہے کہ جو شخص حالت ایمان میں ثواب کی امید کرتے ہوئے اعتکاف کرتا ہے اس کے گزشتہ تمام گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔ (دیلمی)

اعتکاف کی فضیلت بیان کرتے ہوئے آپؐ فرماتے ہیں کہ جو شخص اللہ کی رضا کے لیے ایک دن کا اعتکاف کرے اللہ تعالیٰ اس کے اور جہنم کے درمیان تین

خندقیں آڑ فرما دیتے ہیں جن کا فاصلہ آسمان اور زمین کی مسافت سے بھی زیادہ ہے۔ (بیہقی)

کشف الغمہ میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص عشرہ رمضان کا اعتکاف کرے اس کو دو حج اور دو عمروں کا ثواب ملے گا۔

مردوں کے اعتکاف کے لیے سب سے افضل جگہ مسجد حرام ہے اس کے بعد مسجد نبوی اس کے بعد مسجد اقصیٰ اور اس کے بعد جامع مسجد اور اس کے بعد محلّہ کی مسجد جہاں نمازی زیادہ ہوں۔ عورتوں کے لیے بھی اعتکاف مسنون ہے۔ ازواج مطہرات رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد اعتکاف کیا کرتی تھیں۔ عورت کا اعتکاف گھر میں ہے جہاں وہ نماز پڑھنے کی جگہ معین کرلے اور وہاں اعتکاف کی نیت سے رمضان کا آخری عشرہ گزارے۔ ہاں عورت شوہر کی رضامندی کے بغیر اعتکاف نہ کرے۔

اگرچہ قریب البلوغ لڑکا بھی اعتکاف کر سکتا ہے مگر بہتر ہے کہ سنجیدہ مزاج آدمی اعتکاف بیٹھیں جو آداب سے واقف ہوں اور وہ اعتکاف کے اوقات کا بھرپور استعمال کر کے وافر ثواب حاصل کریں۔ رمضان کے آخری عشرہ کے نورانی ایام میں معصیت کا ارتکاب اور بھی زیادہ بُرا ہے۔ رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کرنا سنت موکدہ علی الکفایہ ہے۔ یعنی اگر پوری بستی میں سے کسی نے بھی اعتکاف نہ کیا تو سب پر ترکِ سنت کا وبال ہوگا اور اگر آبادی میں سے ایک یا زیادہ نے اعتکاف کر لیا تو سب کی طرف سے سنت ادا ہوگی۔ البتہ ثواب تو اُسی کو ملے گا جس نے اعتکاف کیا۔

معتکف کو اعتکاف کے آداب سے باخبر ہونا ضروری ہے۔ اعتکاف کی حالت میں دنیاوی باتیں ہرگز نہ کی جائیں۔ غیبت وغیرہ سے کلی اجتناب کیا جائے۔ ملکی حالات پر تبصرے سے گریز کیا جائے۔ اخبار نہ مسجد میں لائی جائے نہ پڑھی جائے' اعتکاف کی حالت میں کوئی خاص عبادت شرط نہیں۔ پس زیادہ سے زیادہ وقت ذکر اذکار تلاوت' دعا' استغفار' درود شریف اور نوافل پڑھنے میں صرف کرے۔ وعظ و نصیحت اور تعلیم و تعلم تو جائز ہے۔ البتہ بالکل خاموش بیٹھے رہنا' ٹھیک نہیں۔ جب تھکاوٹ محسوس کریں تو لیٹ جائیں۔ روزہ مسنون اعتکاف کی بنیادی شرط ہے۔ پھر معتکف کو مسجد میں جم کر بیٹھنا ہے۔ اگر بلا ضرورت طبعی و شرعی تھوڑی دیر کے لیے بھی مسجد سے باہر چلا جائے گا تو اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔ پھر اس اعتکاف کی قضا لازم ہوگی۔

اعتکاف کو رسم بنا لینا درست نہیں۔ یہ ایک سنجیدہ عبادت ہے۔ بچے اور بعض بڑے بھی اعتکاف بیٹھتے ہیں تو جب وہ اعتکاف سے فارغ ہوتے ہیں تو اُن کے گھر والے بڑے طمطراق سے گلے میں ہار ڈال کر اور مٹھائیاں بانٹتے ہوئے اُسے مسجد سے نکالتے اور گھر لاتے ہیں۔ اس قسم کے تکلفات اور نمائش کی یہاں کوئی گنجائش نہیں۔ اعتکاف تو گناہ بخشوانے' توبہ کرنے' ذکر و اذکار اور عبادت کے لیے انتہائی قیمتی اوقات ہیں۔ ان کو بھرپور انداز میں گزارنا ہی شرعی تقاضا ہے۔

رجوع الی القرآن کورس

برائے طالبات

آغاز 10 نومبر 2005ء سے ہوگا ان شاء اللہ اور تکمیل 31 مئی 2006ء

کلاس ہفتے میں چار دن ہوگی یعنی سوموار تا جمعہ' اوقات: 8:30 تا 1:30

مضامین: تذکیر بالقرآن' منتخب نصاب' عربی گرائمر' تجوید' حدیث وفقہ' سیرت نبوی ﷺ و سیرت صحابہ رضی اللہ عنہم

نوٹ: داخلہ فارم جمع کروانے کی آخری تاریخ 25 اکتوبر ہے۔ اور انٹرویوز 9 نومبر (صبح 10:00 تا 12:00) کو ہوں گے۔

رجسٹریشن فیس: 800 روپے' ماہانہ فیس: 500 روپے

مستحق طالبات کے لیے رعایت کی سہولت موجود ہے۔

بمقام: مرکز تنظیم اسلامی' 67/A علامہ اقبال روڈ' گڑھی شاہو لاہور

برائے رابطہ: ناظمہ صاحبہ رجوع الی القرآن کورس

67/A علامہ اقبال روڈ' گڑھی شاہو لاہور فون: 0300-4431707 6366638, 6316638

النصر لیب

مستند اور تجربہ کار ڈاکٹروں کی زیر نگرانی ادارہ

ایک ہی چھت کے نیچے تمام اقسام کے معیاری لیبارٹری ٹیسٹ' ایکسرے' ای سی جی اور الٹرا ساؤنڈ کی سہولیات

محترم ڈاکٹر اسرار احمد کی نگاہ میں قابل اعتماد ادارہ

خصوصی پیکج: خصوصی میڈیکل چیک اپ ☆ الٹرا ساؤنڈ ☆ ای سی جی ☆ ہارٹ ☆ ایکسرے چیسٹ ☆ لیور ☆ کڈنی ☆ جوڑوں سے متعلقہ متعدد ٹیسٹ ☆ ہیپاٹائٹس بی اور سی ☆ بلڈ گروپ ☆ بلڈ شوگر ☆ مکمل بلڈ اور مکمل پیشاب ٹیسٹ صرف 1500 روپے میں کروائیں۔

تنظیم اسلامی کے رفقاء اور ندائے خلافت کے قارئین اپنا ڈسکاؤنٹ کارڈ لیبارٹری سے حاصل کریں۔ ڈسکاؤنٹ کارڈ کا اطلاق خصوصی پیکج پر نہیں ہوگا۔

ISO 9001:2000
QMS CERTIFIED CLINICAL LAB
BY MOODY INTERNATIONAL

النصر لیب: 950۔ بی' مولانا شوکت علی روڈ' فیصل ٹاؤن (نزد راوی ریسٹورنٹ) لاہور

فون: 5162185-5163924 موبائل: 0300-8400944

E-mail: alnasar@brain.net.pk Website: www.alnasar.com.pk

جمال عبدالناصر اور اخوان المسلمین

سید قاسم محمود

حسن البناء کی شہادت کے بعد سے 1950ء تک تحریک کا پورا نظم ونسق احمد حسن الباقوری کے ہاتھ میں رہا۔ اس کے بعد ''الاخوان'' کی ہیئت تاسیسیہ (جنرل اسمبلی) نے تحریک کے معاملات صالح العشماوی (مدیر ''الدعوۃ'') کے سپرد کردیئے جو تنظیم کے نائب مرشدِ عام بھی تھے اور حسن البناء (مرشد عام) کی عدم موجودگی میں ان کی ذمہ داریاں سنبھالا کرتے تھے۔ غیر متوقع طور پر جنرل اسمبلی کے باہر ایک شخص حسن الہضیبی کو 17 اکتوبر 1951ء کو مرشدِ عام بنادیا گیا۔ حسن الہضیبی 1942ء میں ''الاخوان'' کے زیراثر آئے تھے اور حسن البناء سے بہت متاثر تھے۔ (ان کے مفصل حالات آئندہ اپنے موقع کی مناسبت سے آئیں گے)۔ ان کی شخصیت میں وہ ساحرانہ کشش نہ تھی جو تحریک کے بانی کی خصوصیت تھی۔ ان کے تقرر نے ''الاخوان'' کے اندر اختلاف پیدا کردیا اور اس اختلاف کے نتیجے میں اگرچہ کوئی متوازی جماعت وجود میں نہ آئی' تاہم یہ چیز بالکل بےاثر بھی نہ رہی۔

شاہ فاروق شروع سے تحریک سے حد درجہ خائف تھا اور حسن البناء سے بے حد مرعوب۔ اس نے انگریزوں کے اشارے پر اخوان کو انقلاب پسند فوجی افسروں کے خلاف استعمال کرنا چاہا' مگر یہ ممکن نہ ہوسکا۔ انقلاب کے شروع ہوتے ہی اخوان نے انقلاب کی پوری حمایت کی اور فوجی افسروں سے مل کر اپنے مشترکہ دشمن شاہ فاروق سے پیچھا چھڑالیا۔ شاہ فاروق کا تو کہنا یہ تھا کہ اسے نکالنے والے اصل میں اخوان ہی تھے اور انہوں نے ہی فوجی افسروں کو اس کے خلاف استعمال کیا۔

فوجی افسروں سے اخوان کے تعلقات

فوجی افسروں سے اخوان کے تعلقات کی ابتدا دوسری جنگِ عظیم کے آغاز (1940ء) میں ہوچکی تھی۔ حسن البناء نے اپنی دعوت کو فوجی افسروں میں پھیلانے کی طرف خاص توجہ کی تھی اور مختلف ذرائع سے فوج میں نفوذ حاصل کرلیا تھا۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران میں اخوان کا اثر فوج میں اور زیادہ بڑھ گیا۔ 1948ء کی جنگ فلسطین میں اخوان اور فوجی افسر دوش بدوش لڑے اور اخوان کی پامردی اور خلوص نے ان افسروں کو بہت متاثر کیا۔ خود جمال عبدالناصر پر اخوان سے ہمدردی کا الزام تھا۔ 1951-52ء کی جنگ سویز میں اخوان کو پھر فوجی افسروں کی معیت میں دادِ شجاعت دینے کا موقع ملا۔ اس طرح دونوں بہت قریب آ گئے۔ 1948ء میں تنظیم کے غیرقانونی قرار دیئے جانے کے بعد بھی دونوں کے تعلقات برقرار رہے تھے' مگر ان تعلقات کے ساتھ یہ حقیقت ہے کہ ایسے فوجی افسر بھی کم نہ تھے جو اپنا طریق کار اخوان سے آزاد رہ کر متعین کرنا چاہتے تھے۔ ان میں سے بعض اخوان سے قریب ہونے کے باوجود مغربی اثرات کے تحت سیکولرازم کی طرف مائل تھے۔

23 جولائی 1952ء کو فوجی انقلاب برپا ہوگیا۔ انقلابی کونسل اخوان سے ہمدردی رکھتی تھی' چنانچہ حسن البناء کی برسی کے موقع پر اعلیٰ فوجی افسروں نے انہیں خراجِ عقیدت وتحسین پیش کیا۔ شروع میں دونوں میں اتنی قربت تھی کہ انقلابی کونسل کو اخوان کا آلۂ کار سمجھا جانے لگا تھا۔ سوال یہ تھا کہ اب جدید اور نئے مصر کی تعمیر کن اصولوں پر ہو اور کس کی رہنمائی میں ہو؟

> 1956ء کے آئین میں بہت سے دوسرے ملکوں کی طرح مصر میں بھی اسلام کو سرکاری حیثیت دی گئی تھی لیکن یہ صرف رسمی چیز تھی۔

اسلام یا سوشلزم

یہ ایسا سوال تھا جس نے دونوں کے درمیان اختلاف کی ناقابلِ عبور خلیج پیدا کردی' جو وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی ہی چلی گئی۔ اخوان اسلامی ریاست کے قیام کے خواہاں تھے اور اسلامی خطوط پر حکومت کی رہنمائی کرنا چاہتے تھے۔ انقلابی ان کی رہنمائی پر کسی طرح رضامند نہ تھے اور بعض تو سیکولر ریاست کو ترجیح دیتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ موجودہ صدی کا نصف اوّل مصر میں وطن پرستی یعنی وطن پر مبنی قوم پرستی کا دور تھا' لیکن 1952ء کے انقلاب کے بعد مصر میں جس دور کا آغاز ہوا' وہ عرب قوم پرستی اور سوشلزم کا دور ہے۔ وطن پرستی (قومیت) حصولِ آزادی کا ایک ذریعہ تھی اور جب مصر انگریزوں سے آزاد ہوچکا تو وطن پرستی کے نظریے کی قوت متحرکہ ختم ہوگئی۔ مصری اب یہ محسوس کرنے لگے کہ وہ ایک وسیع تر عرب دنیا کے رکن ہیں اور ان کے بہت سے مسائل کا حل عرب دنیا کے اتحاد سے وابستہ ہے۔ اس کے ساتھ انہوں نے یہ بھی محسوس کیا کہ دنیا اب بین الاقوامیت کی طرف جارہی ہے اور وطنی حد بندیاں کمزور پڑرہی ہیں۔ چنانچہ اس عالمگیر رجحان سے مطابقت پیدا کرنے کے لیے انہوں نے سوشلزم کا مسلک اختیار کیا۔ سوشلزم کو اختیار کرنے کی وجہ یہ تھی کہ وطن پرستی اور سرمایہ دارانہ معیشت کے نظام سے مصری عوام کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا تھا اور مصر کے وطن پرست چونکہ سیکولرازم کے حامی تھے' اس لئے انہوں نے فطری طور پر اپنے مسائل کا حل اسلام سے باہر تلاش کیا۔ جو سوشلزم ہی ہوسکتا تھا کیونکہ اس وقت وہ دنیا کے ایک بڑے حصے میں سکہ رائج الوقت تھا۔

اس کے علاوہ چونکہ فلسطین کے مسئلے کی وجہ سے عربوں کی براہ راست مغرب سے کشمکش شروع ہوگئی تھی' اس لئے عرب یہ سمجھتے تھے کہ وہ سوشلزم اختیار کرکے دنیا کے ایک بڑے بلاک سے' جو مغرب کا حریف ہے' اپنے مقاصد کے حصول کے لیے مدد حاصل کرسکیں گے۔ اگرچہ 1956ء کے آئین میں بہت سے دوسرے مسلم ملکوں کی طرح مصر میں بھی اسلام کو سرکاری حیثیت دی گئی تھی' لیکن یہ صرف رسمی چیز تھی۔

جمال ناصر کے دور میں مصری حکومت کی طاقت کا سرچشمہ اسلام نہیں' بلکہ عرب قومیت اور سوشلزم تھے۔ صدر ناصر جدید عرب سوسائٹی اور اس کے حقوق وفرائض کے متعلق وہ نقطۂ نظر رکھتے تھے جو اسلامی شریعت اور خدا کی مقرر کردہ حدود کا پابند نہیں تھا' بلکہ اس کا تعین مغربی سوسائٹی اور جدید فکر کی بنیاد پر کیا گیا تھا۔ 31 مئی 1962ء کو مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اپنی تصنیف ''مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش'' میں رقم طراز ہیں: صدر ناصر نے جس قومی منشور ''المیثاق الوطنی'' کا اعلان کیا تھا' اگر اس منشور سے مصر کا لفظ نکال دیا جائے جو بار بار آتا ہے اور جس کی وجہ سے اس معاشرے اور ماحول کا پتہ چل جاتا

ہے، جس کے لیے یہ منشور مرتب کیا گیا تھا' اور اس کو کسی سیکولر اور اشتراکی ریاست کی طرف منسوب کر دیا جائے تو کچھ فرق نہیں پڑے گا' اس لیے کہ یہ سب حکومتیں عقیدے کی آزادی اور انسان اور تہذیب انسانی پر مذاہب سے پیدا ہونے والی روحانی اقتدار کے اثر و تسلط کی معترف ہیں۔

مولانا علی ندوی نے اسی تصنیف میں مزید رائے زنی کرتے ہوئے لکھا ہے ''اس انقلاب کے قائدین نے مصری سوسائٹی اور مصری فکر و دماغ کی مکمل تبدیلی اور تشکیل جدید کے لیے ٹھوس قدم اٹھائے جو دراصل پوری عرب قوم کی ذہنیت تبدیل کرنے کا ایک ابتدائی مرحلہ تھا۔ انہوں نے عربی قومیت پر ایک مذہب اور عقیدے کی طرح زور دیا۔ انہوں نے ''العزۃ للعرب'' کے نعرے لگائے۔ ملحدین کی حوصلہ افزائی کی گئی اور اہلِ قلم افراد اور اخبار نویسوں کو اس معاملے میں بالکل چھوٹ دے دی گئی کہ وہ جو چاہیں لکھیں۔ دین اور اس کے شعار کا کھلم کھلا مضحکہ اڑائیں۔ دین کی بے حرمتی کریں اور سوسائٹی میں بے حیائی' بے راہ روی اور فسق و فجور پھیلائیں۔ پریس کو قومیانے سے ان چیزوں میں کچھ اضافہ ہی ہوا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ صحافت میں عریاں اور فحش تصویروں' گندے اور جنسی افسانوں' جرائم اور جنسی جذبے کی محرک خبروں اور واقعات کی تعداد بہت بڑھ گئی۔ اس کا در پردہ مقصد یہ تھا کہ رفتہ رفتہ سوسائٹی اور عقلیت کو بالکل تبدیل کر دیا جائے اور اس پر مادی رنگ اور اشتراکی طرز پوری طرح غالب آ جائے۔

جمال ناصر اور اخوان المسلمون

اس انقلاب کا عرب دنیا پر گہرا اثر پڑا' لیکن مغربی افکار و نظریات رکھنے والے اونچے طبقے پر گہرے اثرات کے باوجود نیا معاشرہ اور نیا نظام اہلِ مصر کے لیے قبول کرنا آسان نہ تھا۔ خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ وہاں اخوان المسلمون کی زبردست اسلامی تحریک عوام اور نوجوانوں میں کافی جگہ بنا چکی تھیں۔ انقلاب 1952ء کے موقع پر وفد پارٹی اور اخوان المسلمون صرف دو جماعتیں بااثر تھیں۔ جنوری 1953ء میں وفد پارٹی اور دوسری جماعتوں کو ختم کر دیا گیا۔ صرف اخوان باقی رہے۔ انہوں نے انقلاب کا پُر جوش خیر مقدم کیا تھا' بلکہ ناصر کی ''ڈائری'' میں اعتراف کیا گیا ہے کہ اخوان کے فوجی شعبے کے انچارج میجر محمود پہلے سپاہی تھے جنہوں نے فوج میں آزادی کی روح پھونکی اور خفیہ گروہ منظم کیے اور انقلاب کے ابتدائی اور خطرناک دنوں میں امن و امان قائم رکھنے میں پوری مدد دی۔

اخوان کے اسی تعاون کا نتیجہ تھا کہ فوجی انقلاب کے بعد سے ان پر تمام پابندیاں ہٹائی گئیں اور ان کی جائیداد اور املاک واپس کر دی گئی تھیں' لیکن اب اخوان کے لیے ایک آزمائش کا ایک نیا دور شروع ہو گیا تھا۔ حکومت نے ان کو صرف ایک مذہبی جماعت کی حیثیت سے کام کرنے کی اجازت دی۔ اخوان کے لیے مذہب اور سیاست کی علیحدگی کا یہ تصور ناقابلِ تصور تھا۔ ''اخوان'' اسلامی اصولوں کی بنیاد پر اصلاحات کرنا چاہتے تھے اور آئینی حکومت بحال کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ وفد کے رہنماؤں اور اخوان نے سیاسی جماعتوں کی بحالی اور آئینی حکومت کے قیام کے لیے مہم چلائی اور اس مقصد کے لیے جنرل نجیب کی ہمدردی حاصل کرنا چاہی' جو اخوان کے حلقوں کی ایک محبوب شخصیت تھی' لیکن انقلابی کمانڈ کونسل کے دوسرے رہنما جمال عبدالناصر کسی اور ہی انداز میں سوچ رہے تھے۔ اخوان کا نصب العین واضح تھا لیکن ناصر کا خفیہ۔ اور جیسا کہ بعد میں پتا چلا ناصر کا راستہ آمریت سیکولرازم اور مغربی مادیت کے مراحل سے گزر کر اشتراکیت تک جانے والا راستہ تھا' اور اخوان کا راستہ جمہوریت کی وادی سے ہو کر احیائے اسلام کے نصب العین تک جاتا تھا۔

جنرل نجیب درمیانی آدمی کی حیثیت سے دونوں فریقوں کو ایک دوسرے سے ملانے والے پل تھے۔ جب اخوان نے جنرل نجیب کی ہمدردی حاصل کرنا چاہی تو جمال ناصر نے ان کو پہلے وزارتِ عظمیٰ سے' پھر صدارت کے عہدے سے الگ کر دیا اور یہ دونوں عہدے خود سنبھال لیے۔ جنرل نجیب نے اپنی سوانح ''مصر کا مستقبل'' میں لکھا ہے کہ انہوں نے انقلابی کونسل کے اختیارات پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا اور یہ شکایت کی تھی کہ ان کو موثر کردار ادا کرنے کی بجائے ایک عضوِ معطل بنا دیا گیا ہے۔ جنرل نجیب کی برطرفی سے وہ پل ٹوٹ گیا جو اخوان اور فوجی افسروں کو ملائے ہوئے تھا اور اب اخوان اور ناصر کے درمیان براہِ راست کشمکش شروع ہو گئی۔

حسن الہضیبی: اخوان کے دوسرے مرشدِ عام

ہم پہلے بھی بتا چکے ہیں کہ حسن البناء کے بعد اخوان کی قیادت حسن الہضیبی (1891ء۔1965ء) کے سپرد کی گئی۔ حسن البناء عربی کے علاوہ کوئی اور زبان نہیں جانتے تھے اور ان کی تعلیم بھی قدیم انداز پر ہوئی تھی۔ ہضیبی نے ان کے برعکس جدید تعلیم حاصل کی تھی۔ اور کئی زبانیں جانتے تھے۔ ہضیبی نے 1915ء میں مصری کالج سے قانون کی ڈگری حاصل کی۔ 1924ء تک وکالت کی۔ اسی سال وہ عدلیہ مصریہ میں حاکم (جج) ہو گئے اور ستائیس سال اس عہدے پر کام کیا اور عدالتِ فائقہ (سپریم کورٹ) کے مشیر رہے۔ وہ ساٹھ سال کی عمر میں 17 اکتوبر 1951ء کو اخوان المسلمون کو تحریک کے مرشد عام یعنی سربراہ منتخب ہوئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب اخوان ابتلا اور آزمائش کی پہلی منزل سے گزر چکے تھے اور وفد پارٹی کی نئی حکومت نے ان پر سے پابندیاں اٹھالی تھیں۔

حسن الہضیبی نے اخوان کی قیادت سنبھالنے کے بعد شاہ فاروق اور ناصر' دونوں کے عہد میں پوری کوشش کی کہ حکومت سے اخوان کا کوئی تصادم نہ ہو' لیکن اخوان اور انقلابی فوجیوں کی بڑی تعداد کے درمیان جو نظریاتی اختلافات مستحکم ہو چکے تھے' وہ مزید پختہ ہو گئے۔ حسن ہضیبی نے اپنے ایک بیان میں' جو انقلاب کے فوراً بعد جاری کیا گیا تھا' اس کی وضاحت کی تھی کہ انقلاب کے بعد اخوان کی منزل مقصود کیا ہے۔ اس بیان میں انہوں نے اور باتوں کے علاوہ اس پر زور دیا تھا کہ مصر میں جلد از جلد ایسی مجلس آئین ساز منتخب کی جائے جو ملت اسلامیہ کے بنیادی عقائد پر مبنی دستور تیار کرے۔ ہضیبی کے اس بیان سے فوجی حکام بالعموم اور جمال ناصر بالخصوص اخوان سے ناراض ہو گئے۔ اس کے بعد متعدد ایسے واقعات پیش آئے جن کی وجہ سے یہ خلیج اور کشادہ ہو گئی۔ حکومت نے اخوان کو سرکاری جماعت ''نیشنل ریلی'' میں ضم کرنا چاہا تو اخوان نے خود کو ایک دینی جماعت کہہ کر اس میں ضم ہونے سے انکار کر دیا۔ اخوان کو تین وزارتیں بھی پیش کی گئیں' لیکن انہوں نے یہ پیشکش بھی قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ ہم حکومت کے لیے بے لوث خیر خواہ ہیں۔ اگر حکومت اچھا کام کرے گی تو ہم تائید کریں گے لیکن اگر غلط کام کرے گی تو ٹوکیں گے۔

جب اخوان کسی طرح قابو میں نہ آئے تو جمال ناصر نے' جو جنرل نجیب کے عہد میں مجلس وزراء کے رئیس تھے' اخوان کے خلاف الزام تراشیاں شروع کر دیں اور ان پر دہشت پسندانہ سرگرمیوں کا الزام لگایا۔ حسن الہضیبی نے ناصر کے نام ایک خط میں ان تمام الزامات کی تردید کی اور لکھا کہ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ رات دن بغیر کسی محافظ کے تنہا کسی بھی جگہ اطمینان سے آ جا سکتے ہیں۔ مجال ہے کہ کوئی اخوان آپ کی طرف انگلی بھی اٹھائے' جس کا اندیشہ موہوم آپ کو لاحق ہے۔ ہضیبی نے خط میں یہ بھی لکھا کہ دلائل کے ساتھ واضح طور پر بتا دیا جائے کہ جس راستے پر ہم گامزن ہیں' وہ قوم کی سلامتی اور بھلائی کا راستہ ہے یا جس پر آپ بلاتے ہیں' وہ صحیح راستہ ہے۔ یہ بات واضح ہو جائے تو ساری قوم مطمئن ہو سکتی ہے۔ (جاری ہے)

> ناصر نے 'اخوان' کو تین وزارتوں کی پیشکش کی مگر انہوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ ہم حکومت کے بے لوث خیر خواہ ہیں۔ اگر حکومت اچھا کام کرے گی تو تائید کریں' اگر غلط کام کرے گی تو ٹوکیں گے

یادوں کی تسبیح

مری صُراحی سے قطرہ قطرہ نئے حوادث ٹپک رہے ہیں
میں اپنی تسبیحِ روز و شب کا شمار کرتا ہوں دانہ دانہ

قاضی عبدالقادر

اب ہم آپ کی دعا سے چونکہ بچپن سے لڑکپن کی حدود میں داخل ہو چکے تھے اس لیے ہماری سوجھ بوجھ بھی رفتہ رفتہ بڑھ رہی تھی۔ اور کیوں نہ بڑھتی' مرزا غالب کی تو ماشاءاللہ اتنی بڑھ گئی تھی کہ انہیں کہنا پڑا۔

ہم نے مجنوں پہ لڑکپن میں اسد
سنگ اُٹھایا تھا کہ سر یاد آیا

اب تک تو ہماری بڑی محدود سی دنیا تھی: گھر' اسکول' کھیل کود' کھانا پینا اور بس۔ کوئی فکر اور پریشانی نہیں تھی۔ کتنی خوبصورت تھی بچپن کی دنیا! اب ہم باہر کی دنیا سے بھی دھیرے دھیرے آشنا ہو رہے تھے۔ اُس زمانہ میں دو چیزیں نمایاں تھیں: جنگ عظیم دوم اور ملک میں سیاسی ہلچل۔

ہمارے ہاں ایک اُردو اخبار "تیج" آیا کرتا تھا۔ یہ ہندوؤں کا تھا۔ اُس زمانہ میں زیادہ تر جنگ کے بارے میں خبریں ہوا کرتی تھیں' جنہیں ہم پڑھتے تھے اور خوف کھاتے تھے۔ ہوائی جہازوں سے بڑا ڈر لگتا تھا کہ ان کے ذریعہ جگہ جگہ بمباری اور لوگوں کی ہلاکت کی خبریں پڑھتے تھے۔ ڈبائی کی فضا میں ہوائی جہاز کا کوئی مستقل روٹ نہیں تھا' لیکن کبھی کبھی وہ اُڑتا گزرتا تھا تو اس کی آواز سن کر شروع شروع میں ہم ڈر کے بھاگ کر کسی کمرہ کے کونے کھدرے میں چھپ جاتے تھے' گویا وہ جہاز ہم پر ہی بم گرانے آ رہا ہو۔ کچھ عرصہ کے بعد یہ ڈر نکل گیا اور دوسرے لڑکوں کی طرح ہم بھی چھت پر چڑھ کر حدِ نگاہ تک اس کا دیدار کیا کرتے تھے۔

ہمیں صرف اتنا معلوم تھا کہ یہ لڑائی انگریزوں اور جرمنوں کے درمیان ہو رہی ہے۔ جرمنوں کا صدر اور کمانڈر ہٹلر ہے' جو جاپان کے ساتھ مل کر ہندوستان فتح کر کے اُسے انگریزوں سے آزاد کرانا چاہتا ہے۔ اس لیے دل میں اس کے ساتھ ایک محبت کا جذبہ پیدا ہو گیا تھا۔ کچھ عرصہ بعد یہ افواہ سنی کہ ہٹلر مسلمان ہو گیا ہے اور اُس نے اپنا نام "محمد ہٹلر" رکھ لیا ہے۔ بس اب وہ خانہ کعبہ کی زیارت کو جانا ہی چاہتا ہے۔ یہ سن کر بہت خوشی ہوئی اور محبت کے ساتھ عقیدت کا ایک نیا جذبہ بھی پیدا ہو گیا۔

اِدھر جنگ عظیم جاری تھی اور اُدھر ملک میں سخت سیاسی ہلچل تھی۔ بے چینی بڑھتی ہی چلی جا رہی تھی۔ کانگریس اور مسلم لیگ دو جماعتیں تھیں۔ کانگریس کو ہم ہندوؤں کی اور مسلم لیگ کو مسلمانوں کی جماعت سمجھتے تھے۔ مسلمان ہونے کے ناطے ہماری ساری ہمدردیاں مسلم لیگ کے ساتھ تھیں۔ جو مسلمان کانگریس کا ساتھ دے رہے تھے' ہم انہیں نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ہمارے پورے خاندان میں صرف ہمارے ایک چچا کانگریس کا ساتھ دے رہے تھے۔ سنا تھا کہ اس سے اُن کے کچھ "مفادات" وابستہ تھے۔ "ہندوستان چھوڑ دو" تحریک میں بہت سے کانگریسی لیڈر گرفتار ہوئے تو ہم بچوں کی ٹولی یہ نعرہ لگاتے ہوئے نکلتی تھی: "مسلم لیگ ریل میں...... کانگریس جیل میں"۔ ہم بچے ہی تو تھے' ایسا ہی نعرہ لگا سکتے تھے۔ آپ ہوتے تو "ریل" کی جگہ "تیز گام" یا "قراقرم ایکسپریس" کا نعرہ استعمال کرتے!

ہماری کلاس میں ایک لڑکا ارتقاء تھا' جو ہمارا دوست تھا۔ اس کے والد مرتضیٰ صاحب ڈبائی میں کانگریس کے لیڈر تھے۔ وہ بھی دوسروں کے ساتھ جیل میں تھے۔ ہم ساتویں یا آٹھویں کلاس میں تھے' صحیح یاد نہیں' اسکول میں اُردو کا پیریڈ تھا۔ ہندو استاد جوہری صاحب پڑھا رہے تھے۔ پڑھاتے پڑھاتے انہوں نے ارتقی سے پوچھا کہ ان کے والد رہا ہوئے یا نہیں' کیونکہ بہت سے دوسرے کانگریسی لیڈر اُس وقت تک جیل سے رہا ہو چکے تھے۔ ارتقی نے بتایا کہ نہیں...... اس پر جوہری صاحب نے کانگریس اور ہندوستانی قومیت پر لیکچر دینا شروع کر دیا۔ انہوں نے جب یہ کہا کہ ہم سب ہندوستانی ہیں تو مجھ سے برداشت نہ ہو سکا۔ میں کھڑا ہو گیا اور کہا کہ نہیں ہم مسلمان ہیں' ہندوستانی نہیں ہیں۔ انہیں کچھ برا سا لگا' مگر پھر سمجھانے کے انداز میں کہنے لگے کہ دیکھو ہم لوگ ہندوستان میں رہتے ہیں اس لیے ہم سب ہندوستانی ہیں۔ ہماری قومیت ہندوستانی ہے۔ اب "قومیت" کے لفظ اور اس کے مطلب سے تو ہم واقف نہیں تھے' بس اتنا جانتے تھے کہ ہندوستان میں چونکہ "ہندو" کا لفظ آتا ہے اس لیے ہندو ہی ہندوستانی کہلا سکتے ہیں' مسلمان نہیں...... چنانچہ ہم نے دوبارہ پھر کہا کہ نہیں' ہم مسلمان ہیں۔ ہندوستانی ہندو ہوتے ہیں' مسلمان نہیں۔ پوچھنے لگے کہ اچھا اگر ہندوستانی ہندو ہوتا ہے تو تم کیا ہو...... اب ہم واقعی کچھ سوچ میں پڑ گئے کہ کیا کہیں' لیکن ذہن نے جلد ہی مسئلہ حل کر دیا اور ہم نے ذرا ڈٹ کر کہا کہ ہم "عربی" ہیں۔ اس پر جوہری صاحب پھر کچھ کہنا چاہتے تھے کہ گھنٹہ بجا اور اُن کا پیریڈ ختم ہو گیا۔ اللہ اللہ خیر صلا!

میں آج سوچتا ہوں کہ اس بارہ سال کے بچے کے ذہن میں مسلمانوں کی علیحدہ قومیت کا تصور قدرت نے پہلے ہی رچا بسا دیا تھا کہ مسلمان الگ قوم ہیں اور ہندو الگ قوم...... ہم نے جو یہ جواب دیا کہ ہم "عربی" ہیں تو اس کے پس منظر میں دراصل وہ عید کارڈ تھے جو اُس زمانہ میں بہت رائج تھے۔ ان کی تصویر میں عید کا چاند (ہلال) ہوتا تھا' کھجور کا درخت' اُس کے قریب ایک عرب اپنے عربی لباس میں' اپنے اونٹ کی نکیل پکڑے کھڑا' ہلال عید کی جانب دیکھ کر دعا مانگ رہا ہوتا تھا...... ہلال عید' کھجور کا درخت' اونٹ' عربی لباس پہنے اور دونوں ہاتھ اُٹھائے ایک عرب! یہ سب نشانیاں ظاہر کرتی تھیں کہ ہمارا تعلق تو ان سے ہے۔ اسی لیے جوہری صاحب سے ہم نے کہا کہ ہم "عربی" ہیں ع

اسلام تیرا دیس ہے' تو مصطفوی ہے۔

سیاست میں گرماگرمی بڑھ رہی تھی۔ ڈبائی میں بھی مسلم لیگ اور کانگریس کے جلسے جلوس شروع ہو گئے تھے۔ جھنڈوں کا مقابلہ ہوتا تھا کہ کس کا جھنڈا اونچی جگہ لگے۔ مین بازار کے بڑے چوک پر جو سب سے اونچا درخت تھا اس پر مسلم لیگ کا سبز ہلالی پرچم لہرا کر ہم جیت گئے تھے۔ جلسوں میں زوردار نعرے لگتے تھے۔ "نعرہ تکبیر' اللہ اکبر" تو ہمارا پرانا نعرہ تھا ہی' اب مسلم لیگ زندہ باد' قائداعظم زندہ باد' پاکستان زندہ باد اور یہ نعرے بھی گونجتے تھے۔

جوہری صاحب نے کہا دیکھو ہم لوگ ہندوستان میں رہتے ہیں اس لیے ہم ہندوستانی ہیں۔ ہم نے ماننے سے صاف انکار کر دیا۔ ہم نے کہا' نہیں' ہم "عربی" ہیں۔

یوسف یوحنا' محمد یوسف کیسے بنے؟

دنیائے کرکٹ کے جگمگاتے ستارے اور پاکستان کرکٹ ٹیم میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھنے والے بین الاقوامی شہرت یافتہ کھلاڑی یوسف یوحنا کس طرح محمد یوسف بنے۔ یہ کہانی خود انہوں نے نوائے وقت کے کالم نویس عرفان صدیقی کو ٹیلی فون پر سنائی جو ہم مذکورہ اخبار کے شکریہ کے ساتھ ندائے خلافت کے قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ یہ روداد چونکہ ایک کالم کی صورت میں اخبار میں شائع ہوئی ہے لہٰذا اسے خصوصی اہمیت دے کر کالم آف دی ویک کی جگہ شائع کیا جا رہا ہے۔ (مدیر)

''ہماری رہائش پرنگل روڈ' ریلوے کالونی گڑھی شاہو لاہور میں تھی۔ یہاں میرے ہم مذہبوں کے بھی گھر تھے لیکن زیادہ آبادی مسلمانوں کی تھی۔ اتفاق کی بات کہیے کہ میرا زیادہ اٹھنا بیٹھنا' ملنا جُلنا اور کھیلنا کودنا بھی مسلمان لڑکوں کے ساتھ ہی تھا۔ سچی بات یہ ہے کہ وہ بھی مجھے اپنے جیسے ہی لگتے تھے۔ مسلمانوں کے ہاں مجھے کوئی ایسی خاص خوبی یا امتیازی بات نظر نہیں آئی تھی کہ میرے دل میں مسلمان ہونے کا شوق پیدا ہوتا۔ مسلمان لڑکوں کے مشغلے بھی میرے جیسے ہی تھے۔

ایف سی کالج میں پڑھائی کے دوران میری دوستی ایک ہم جماعت لڑکے جاوید انور سے قائم ہوئی۔ جاوید' کرکٹ کے سُپر سٹار اور ہمارے سینئر ساتھی سعید انور کا چھوٹا بھائی ہے۔ میں نے زندگی بھر اس جیسا لڑکا نہیں دیکھا۔ میں اسے ملنے سعید بھائی کے گھر جاتا رہتا تھا۔ سعید بھائی تو 1989ء سے قومی ٹیم میں تھے۔ میں کوئی نو سال بعد 1998ء میں ٹیم میں آیا۔ وہاں اکثر ایک سابق کرکٹر ذوالقرنین حیدر آ جاتے تھے جو تبلیغی جماعت میں شامل ہو گئے تھے۔ وہ نیکی اور نماز روزے کی تلقین کیا کرتے تھے لیکن اس وقت سعید بھائی کو ایسی باتوں کی لگن نہ تھی۔ اکثر جب ذوالقرنین حیدر یا تبلیغ والے دوسرے لوگ آتے تو سعید بھائی مجھے باہر بھیج دیتے کہ کہہ آؤ سعید گھر پر نہیں ہے۔ پھر میں نے دیکھا کہ آہستہ آہستہ اُن کی طبیعت مذہب کی طرف آنے لگی۔ تبلیغی جماعت کے بزرگوں سے بھی ان کا میل جول بڑھ گیا۔ اپنی بیٹی کی وفات کے بعد وہ مکمل طور پر مذہبی رنگ میں رنگ گئے۔ اکثر تبلیغی دوروں پر رہنے لگے۔ وہ مجھے کہتے تھے ''یوسف! ہر روز سونے سے پہلے یہ دعا مانگا کرو' اے خدا! مجھے حق اور سچ کا راستہ دکھا'' سعید بھائی نے مجھے اُن دنوں کبھی یہ نہ کہا کہ مسلمان ہو جاؤ۔ ہمیشہ اس دعا کی تلقین کرتے رہے۔ میں سعید بھائی کی نصیحت کے مطابق ہمیشہ سونے سے پہلے یہ دعا مانگتا رہا۔

میں نے سعید بھائی میں آنے والی تبدیلیوں کو بڑے غور سے دیکھا اور بہت متاثر ہوا۔ پھر ایک عجیب بات ہوئی میرا ایک دوست ہے وقار احمد' بڑی پرانی دوستی ہے ہماری' یہ تین سال پہلے کی بات ہے۔ میں حسب معمول رات کو یہ دعا مانگ کر سو گیا کہ ''اے خدا مجھے حق اور سچ کا راستہ دکھا'' رات میں نے خواب میں اپنے دوست وقار کو دیکھا۔ وہ خوشی خوشی میرے پاس آیا اور کہنے لگا ''سنا ہے تم مسلمان ہو گئے ہو'' میں نے اُسے کوئی جواب نہ دیا۔ آنکھ کھلنے پر میں یہ سوچتا رہا کہ کیا واقعی اللہ نے مجھے حق اور سچ کا راستہ دکھا دیا ہے۔ وقار شیخوپورہ کا رہنے والا ہے۔ اتفاق دیکھیے کہ انہی دنوں پی آئی اے اور نیشنل بینک کے درمیان میچ کے لیے شیخوپورہ کرکٹ گراؤنڈ تجویز ہوا۔ میں پی آئی اے کی طرف سے کھیل رہا تھا۔ شیخوپورہ پہنچا تو میرا وہی دوست وقار احمد مجھے ملنے آ گیا۔ وہی خواب والی وضع قطع۔ میں اس وقت حیران رہ گیا جب اس نے بالکل اسی انداز میں مجھ سے پوچھا ''سنا ہے تم مسلمان ہو گئے ہو؟'' میں اس کا منہ دیکھنے لگا۔ یہی وہ لمحہ تھا جب مجھے یقین ہو گیا کہ اللہ نے مجھے اشارہ دے دیا ہے کہ حق کا راستہ کیا ہے۔ شام کو میں شیخوپورہ سے لاہور آیا تو سیدھا کیولری گراؤنڈ سعید بھائی کے پاس چلا گیا۔ یہ ٹھیک تین سال پہلے اکتوبر 2002ء کا ذکر ہے۔ میں نے سعید بھائی سے کہا ''میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں'' سعید بھائی نے مجھے اپنے سے گلے لگا لیا۔ مجھے کلمہ پڑھایا اور میری دنیا بدل گئی۔

> سعید بھائی نے مجھے کبھی یہ نہیں کہا کہ مسلمان ہو جاؤ' بلکہ اکثر کہتے ''یوسف! ہر روز سونے سے پہلے یہ دعا مانگا کرو' اے خدا' مجھے حق اور سچ کا راستہ دکھا''۔

مجھے سعید بھائی کے ذریعے تبلیغی جماعت کے بزرگوں سے ملنے کا موقع ملا جنہوں نے ہر اعتبار سے میری مدد کی' مجھے سہارا دیا' مجھے دین سکھایا' میں نے مولانا طارق جمیل کے کئی بیان سنے' کئی بار رائے ونڈ حاجی عبدالوہاب صاحب کی خدمت میں حاضری دی۔ مولوی فہیم صاحب نے خصوصی شفقت کی اور مجھ سے مسلسل رابطہ رکھا۔ اسلام کا دامن پکڑنے کے بعد ''یوحنا'' میرے نام کا حصہ نہ رہا اور اس کے بجائے میں محمد یوسف ہو گیا۔ اسلام قبول کر لینے کے بعد بھی میرے اندر نماز کی پختگی پیدا نہ ہوئی۔ کبھی پڑھ لی' کبھی نہ پڑھی۔ اس دوران میں جب بھی رائے ونڈ جاتا اور حاجی عبدالوہاب صاحب سے پوچھتا کہ اب مجھے اسلام قبول کرنے کا اعلان کر دینا چاہیے تو وہ کہتے ''نہیں' ابھی نہیں''۔ شاید انہیں میری شکل دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ ابھی میں اس لائق نہیں ہوا۔ میری مولوی فہیم صاحب اور طارق جمیل صاحب سے بھی ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ انضمام بھائی کو پتہ چلا تو انہوں نے بڑی شفقت کی۔ جون 2005ء میں کرکٹ ٹیم کچھ میچ کھیلنے سعودی عرب گئی۔ میچ تو نہ ہوئے البتہ ٹیم نے عمرہ کیا۔ اس سے کوئی ڈیڑھ دو مہینے پہلے میری بیوی بھی اسلام قبول کر چکی تھی۔ میں نے اسے آزادی دی تھی کہ وہ سوچ سمجھ کر فیصلہ کرے۔ پوری ٹیم نے عمرہ کیا لیکن میں ان کے ساتھ شامل نہ ہوا کیونکہ ابھی تک میں نے مسلمان ہونے کا کھلا اعلان نہیں کیا تھا۔ لیکن مجھے سخت بے تابی تھی کہ عمرے کی سعادت حاصل کروں۔ میری بیوی بھی میرے ہمراہ تھی۔ اب وہ تانیہ کی بجائے فاطمہ ہو چکی تھی۔ رائے ونڈ سے مولوی فہیم صاحب نے مکہ میں موجود عالمگیر صاحب کے ذمہ لگایا اور وہ رات گئے دونوں کو حرم شریف لے گئے۔ ہم نے عمرہ ادا کیا۔ یہ اللہ کا بہت بڑا کرم تھا۔ رات کے پچھلے پہر شروع ہونے والا عمرہ صبح پانچ بجے ختم ہوا۔ میں نے اسی وقت مولوی فہیم صاحب کو فون کیا۔ انہوں نے حاجی عبدالوہاب صاحب سے ذکر کیا جنہوں نے مجھے قبول اسلام کا اعلان کرنے کی اجازت دے دی۔ پاکستان واپس آتے ہی میں نے اعلان کر دیا۔ اسے اتفاق یا قدرت کا انعام کہیے کہ میں نے اپنے بیٹے اور بیٹی کے نام بھی مسلمانوں والے رکھے تھے۔ بیٹی کا نام امیہ یوسف اور بیٹے کا نام دانیال یوسف ہے۔ میرے قبول اسلام پر والد صاحب نے برہمی کا اظہار نہیں کیا۔ والدہ کچھ رنجیدہ ہوئیں لیکن اب سب کچھ معمول پر آ رہا ہے۔ میں اللہ سے دعا گو رہتا ہوں کہ وہ میرے پورے خاندان کو حق اور سچ کا راستہ دکھا دے۔ آمین!

عالم اسلام کی خبریں

عراق میں ریفرنڈم

15 اکتوبر کو عراق میں آئین کے مسودے کے سلسلے میں ریفرنڈم ہوا۔ اطلاعات کے مطابق اس میں 61 فیصد عراقیوں نے ووٹ ڈالے۔ ملک کے چھ ہزار پولنگ اسٹیشنوں میں 155 ملین عراقیوں نے حق رائے دہی استعمال کیا۔ اس موقع پر صبح 10 بجے سے شام 6 بجے تک کرفیو نافذ رہا اور عراق کی سرحدیں بند کر دی گئیں۔ یاد رہے کہ نئے عراقی آئین کے سلسلے میں عراق دو حصوں میں تقسیم ہو گئے ہیں۔ عراقی شیعہ اس کی حمایت اور سنی مخالفت کر رہے ہیں۔

اسرائیل سے تعلقات نہ بناؤ

کویت میں اخوان المسلمین کے امیر اور تنظیم برائے اصلاح معاشرہ کے سربراہ، شیخ عبداللہ مطلوع نے مسلمان حکومتوں پر زور دیا ہے کہ وہ اسرائیل کے ساتھ تعلقات قائم نہ کریں کیونکہ وہ فلسطینیوں کا قتل عام کر رہے ہیں۔ کیا ہم مسلمان بھائیوں کے گھر منہدم کرنے والوں کو اپنا دوست بنا سکتے ہیں؟ اس کے باوجود کچھ مسلم ممالک یہودیوں کو اپنا ساتھی بنانے کے لیے ان کے پیچھے بھاگ رہے ہیں۔ ادھر امریکا نے بھی خلیجی ممالک پر دباؤ ڈال رکھا ہے کہ وہ اسرائیل کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم کریں۔

یاد رہے کہ خلیجی ممالک میں صرف قطر نے اسرائیل کے ساتھ تجارتی تعلقات قائم کر رکھے ہیں۔ گزشتہ ماہ بحرین نے بھی اعلان کیا کہ اب مقامی تاجر اسرائیلی مصنوعات درآمد کر سکتے ہیں۔ البتہ کویت سمیت دیگر اسلامی ممالک کا موقف یہ ہے کہ مسئلہ فلسطین کے منصفانہ حل کے بعد ہی اسرائیل کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم کیئے جائیں گے۔

وسطی ایشیا اور امریکا

جب امریکا نے دہشت گردی کے خلاف نام نہاد جنگ شروع کی اور افغانستان پر حملے کا منصوبہ بنایا تو اس نے وسطی ایشیا کے مسلمان ممالک میں اپنے فوجی اڈے قائم کر لیے تھے۔ اب چین اور روس کے دباؤ پر یہ ممالک امریکا سے کہہ رہے ہیں کہ وہ اپنے اڈے ختم کرے۔ اس بات پر امریکی حکومت چراغ پا ہے تاہم اس نے زیادہ غم وغصے کا اظہار نہیں کیا۔ اب امریکی حکمت عملی سے کام لے رہے ہیں۔ حال ہی میں امریکی وزیر خارجہ نے کہا ہے کہ امریکا کو اب وسطی ایشیا میں فوجی اڈوں کی ضرورت نہیں رہی۔ حقیقت یہ ہے کہ امریکی وسطی ایشیا سے کبھی آسانی سے نہیں جائیں گے کیونکہ یہاں تیل وگیس کا خزانہ دفن ہے۔ بھلا کوئی خزانہ چھوڑ کر جاتا ہے؟

مسلم تنظیموں پر پابندی

برطانوی پارلیمنٹ نے دہشت گردی کا الزام لگا کر پندرہ اسلامی تنظیموں پر پابندی لگا دی ہے۔ برطانوی وزارت خارجہ کے مطابق ان تنظیموں کا تعلق القاعدہ اور دوسری دہشت گرد تنظیموں سے تھا۔ ان میں انصار الاسلام، حرکت الجہاد اسلامی، الاتحاد الاسلامیہ، حزب اسلامی (گلبدین) جماعت الفرقان، لشکر جھنگوی، سپاہ صحابہ وغیرہ شامل ہیں۔

قطر کا منفرد ”اعزاز“

دنیائے اسلام میں قطر کو یہ ”شرف“ حاصل ہوا ہے کہ وہ اسرائیل کی امداد کرنے والا پہلا اسلامی ملک بن گیا ہے۔ قطر نے اسرائیل کے ایک شہر میں فٹ بال کا اسٹیڈیم بنانے کے لیے چھ ملین ڈالر (تین کروڑ ساٹھ لاکھ روپے) کی امداد دی ہے۔ کیا یہ بہتر نہ ہوتا کہ قطر یہ امداد فلسطینیوں کو دے دیتا جو صیہونی ظلم وستم کی چکی تلے پس رہے ہیں۔

برطانیہ عراق سے فوج واپس بلائے

برطانیہ میں لبرل ڈیموکریٹ پارٹی کے سربراہ، چارلس کینیڈی نے برطانوی وزیراعظم سے مطالبہ کیا ہے کہ عراق سے برطانوی فوج واپس بلائی جائے۔ عراق میں برطانوی فوج اگر طویل عرصہ موجود رہے تب بھی وہاں کے مسائل حل نہیں ہو سکتے۔ چارلس کینیڈی نے عراق کے خلاف جنگ پر کڑی تنقید کرتے ہوئے کہا کہ اس معاملے کو جس طرح برتا گیا وہ ایک خوفناک غلطی تھی۔ اب عراق میں اتحادی افواج مسئلہ حل نہیں کر رہیں، بلکہ مسئلے کا حصہ بن گئی ہیں۔

افغانستان میں تین روزہ سوگ

حالیہ کشمیر زلزلہ جنوبی افغانستان میں بھی آیا تھا تاہم وہاں زیادہ مالی وجانی نقصان نہیں ہوا۔ افغان حکومت نے پاکستان میں زلزلہ کی تباہ کاری کے سوگ میں افغان پرچم تین دن کے لیے سرنگوں کرنے کا اعلان کیا۔ اس کے علاوہ افغان حکومت نے امدادی سامان بھی بھجوایا نیز ڈاکٹروں اور نرسوں کی ٹیمیں بھی روانہ کیں۔ افغان صدر حامد کرزئی نے اعلان کیا کہ افغانستان دنیا کا غریب ترین ملک ہے، اس کے باوجود وہ زلزلہ متاثرین کی امداد کے لیے 5 لاکھ امریکی ڈالر نقد بھجوا رہے ہیں۔

غزہ سے اسرائیلی انخلا

فلسطین اتھارٹی کے وزیر مواصلات، سعد الدین خرما نے غزہ کی پٹی سے اسرائیلی انخلا کو گمراہ کن قرار دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اس عمل کے ذریعے اسرائیلی حکومت سیاسی اور معاشی مفادات حاصل کرنا چاہتی تھی۔ اسرائیل نے مسلم اور عرب ممالک سے روابط قائم کرنے کے لیے غزہ خالی کرنے کی چال چلی ہے۔ سعد الدین کا کہنا ہے کہ غزہ کی فضائی، بحری اور بری حدود کو مکمل طور پر فلسطینیوں کے ہاتھوں میں دے کر اسرائیل کو ثابت کرنا ہوگا کہ اس نے سنجیدگی اور خلوص کے ساتھ غزہ سے انخلا کیا ہے۔

پاکستان میں بیرونی سرمایہ کاری

وزارت خزانہ کے مطابق متحدہ عرب امارات پاکستان میں سرمایہ کاری کرنے والا سب سے بڑا ملک بن گیا ہے۔ اس کے بعد امریکا اور برطانیہ کا نمبر آتا ہے۔ اس سال امارات کے شہریوں نے پاکستان میں 367 ملین ڈالر کی سرمایہ کاری کی جو سب سے زیادہ ہے۔ امریکا نے 326 ملین ڈالر اور برطانیہ نے 181 ملین پونڈ کی سرمایہ کاری کی ہے۔

بش کی ’تشویش‘

امریکی اخبار نیویارک ٹائمز نے اپنی ایک رپورٹ میں انکشاف کیا ہے کہ عراق پر حملہ کرنے سے دو ماہ قبل امریکی صدر جارج بش نے برطانوی وزیراعظم ٹونی بلیئر کو بتایا تھا کہ انہیں وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کے سلسلے میں محض عراق ہی پر تشویش نہیں بلکہ وہ اپنی ”کوششوں“ کا دائرہ سعودی عرب، ایران، شمالی کوریا اور پاکستان تک پھیلانا چاہتے ہیں۔ اس بیان کی اہمیت اس لیے بھی زیادہ ہے کہ بش نے عوامی بیانات میں ایٹمی ہتھیاروں کے سلسلے میں عراق، ایران اور شمالی کوریا کا تذکرہ اکثر کیا ہے مگر پاکستان اور سعودی عرب کے بارے میں کوئی بات نہیں کی۔

بقیہ: اداریہ

کے لوگ پاکباز ہیں' اور ایسے سانحات میں غریب ہی کیوں مرتے ہیں۔ انسان اپنی ترقی کا رخ اگر جنگی ساز وسامان پیدا کرنے سے ہٹا کر ایسی آفات سے بچاؤ کی طرف کر لیتا تو دنیا آج ان حادثات پر قابو پا چکی ہوتی۔ انسان کا اصل گناہ یہ ہے کہ وہ ایسی ٹیکنالوجی کے حصول میں ہنوز ناکام ہے جس سے بری اور بحری آفات سے بچا جا سکے۔ حقیقت میں اس کا اصل جواب تو یہ ہے کہ جب سینے میں رکھا دل اندھا ہو جائے تو آنکھوں کا نور بے معنی ہو جاتا ہے اور جب دلوں پر مہر ثبت ہو جائے تو عقلوں پر پردے پڑ جاتے ہیں۔ پھر حقیقی نور سے محروم اور عقل کا دشمن صراطِ مستقیم کیسے ڈھونڈ پائے گا۔ ان صاحب کو معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ رب العزت کا مستقل اور اٹل قانون ہے کہ وہ عذابِ استیصال تو نازل کرتا ہے اس قوم پر جو رسول کا انکار کر دے۔ رسالت اور نبوت کے تمام ہونے پر اب اس عذاب کا تو کوئی سوال نہیں ہے۔ البتہ کسی قوم کے لچھن دیکھ کر اس کے ایک حصہ پر آفت بھیجنا باقی ماندہ کے لیے تنبیہ ہوتی ہے۔ اور یہاں گندم کے ساتھ گھن پس جانا ایک حقیقت ہے۔ پھر یہ کہ کسی ملحد کے لیے تو بس یہ دنیا ہی دنیا ہے جبکہ اللہ کے نزدیک دنیا اور آخرت آپس میں جڑے ہوئے ہیں اگر دنیا میں کوئی بے قصور کسی آفت سے مارا جاتا ہے تو اللہ ہمیں بتاتا ہے کہ جنت ہمیشہ کے لیے ہے۔ اور اس کی نعمتیں ابدی ہیں اور دنیا میں کسی بدقسمت کو ڈھیل دی جاتی ہے تو اس کے لیے فرمانِ خداوندی ہے کہ جہنم ایسا ٹھکانہ ہے کہ اس میں تھوڑا ٹھہرنا بھی انتہائی برا اور خوفناک ہے۔ یہ دنیا بھر کی تمام نعمتوں کے بدلے میں بھی ہو تو سودا مہنگا ہے۔ یہ اللہ رب العزت کا وہ متوازن نظام ہے جسے مکمل طور پر سمجھنا تو کسی کے بھی بس کی بات نہیں البتہ نورِ ایمان سے اس کا کچھ نہ کچھ فہم پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ نورِ ایمان عقل سے نہیں نقل سے پیدا ہوتا ہے۔ قرآن اور صاحبِ قرآن سے حقیقی اور قلبی تعلق سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ تعلق پیدا نہیں ہوگا تو آپ جہالت کے صحرا میں بھٹکتے رہیں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے رہیں گے۔

آخر میں ہم قوم کی توجہ پھر اس طرف مبذول کرانے کی کوشش کریں گے کہ ہمیں اللہ کے پسندیدہ دین اسلام کو انفرادی اور اجتماعی سطح پر اپنانا ہوگا۔ نجات کا یہی واحد راستہ ہے اور اس کی خدمت میں سورہ الرعد کی آیت نمبر 11 کا ترجمہ پیش کریں گے: انسان کے لیے امن اور سلامتی کا ذکر کرتے ہوئے اللہ فرماتا ہے: ''اِس کے آگے اور پیچھے اللہ کے محافظ ہیں جو اللہ کے حکم سے اِس کی حفاظت کرتے ہیں۔ اللہ نہیں بدلتا کسی قوم کی حالت کو جب تک وہ نہ بدلیں اپنی حالت کو' اور جب چاہتا ہے اللہ کسی قوم پر آفت پھر وہ نہیں پھرتی' اور کوئی نہیں ہوتا اُن کا اللہ کے سوا مددگار۔''

قرآن کالج آف آرٹس اینڈ سائنس

اعلان داخلہ

میٹرک میں صرف سپلیمنٹری امتحان دینے والے طلبہ کے لیے

ایف اے (سال اول) میں داخلے جاری ہیں

1۔ عام داخلہ (بغیر لیٹ فیس)
22 اکتوبر تا یکم نومبر 2005ء

2۔ داخلہ لیٹ فیس (300 روپے) کے ساتھ
02 نومبر تا 11 نومبر 2005ء

المعلن: طارق مسعود پرنسپل قرآن کالج

A-191 اتاترک بلاک نیو گارڈن ٹاؤن' لاہور

بقیہ: یادوں کی تسبیح

شملہ کی چوٹی سے یہ قائد نے للکارا ہے
دور ہٹو' دور ہٹو اے دنیا والو! پاکستان ہمارا ہے

——— اور ———

لے کے رہیں گے پاکستان
بٹ کر رہے گا ہندوستان

کانگریس کے جلوس بھی نکلتے تھے' اُن کا ایک خاص نعرہ یہ ہوتا تھا: ڈھلن' سہگل' شاہنواز...... انقلاب زندہ باد۔ انقلاب کو وہ کھینچ کر اس طرح منہ سے نکالتے تھے کہ بس جی چاہتا تھا کہ کاش یہ ہمارے کسی نعرہ کا جز ہوتا۔ ''انقلاب'' کے لفظ سے ہمیں اسی وقت سے بہت دلچسپی ہوئی...... کوئی مانے نہ مانے' میں انقلابی ہوں۔

جس میں نہ ہو انقلاب' موت ہے وہ زندگی
روحِ اُمم کی حیات' کشمکشِ انقلاب

ہم دوستوں نے مل کر ایک چھوٹی سی لائبریری بھی بنالی تھی جس میں مسلم لیگ اور پاکستان کے بارے میں ہنڈبلوں اور پمفلٹوں کے علاوہ دیگر اسلامی کتابیں بھی موجود تھیں۔ مسلم لیگ کا سرکاری ترجمان روزنامہ ''منشور'' جو دہلی سے شائع ہوتا تھا' ہمارے ہاں آتا تھا۔

ایک دن معلوم ہوا کہ علی گڑھ یونیورسٹی کے دولڑ کے آ رہے ہیں' شام کو اُن کی تقریر ہوگی۔ ہمارا گھر چونکہ مین روڈ پر تھا اور انہیں وہیں سے گزرنا تھا' اس لیے ہم نے سڑک کے رُخ پر اپنے گھر کی بیٹھک کے کواڑوں پر کئی رنگ استعمال کر کے خوب صورت الفاظ میں ''پاکستان زندہ باد'' لکھا...... دو پہر کو وہ وہاں سے یکہ میں بیٹھ کر گزرے اور یہ خوبصورت تحریر پڑھی' ہمیں دیکھا' مسکرائے اور چلتے چلتے شاباشی دی۔

1946ء کے الیکشن ہو رہے تھے۔ ہمارے علاقہ سے مسلم لیگ کے امیدوار نواب صاحب دان پور تھے۔ ڈبائی کے پولنگ اسٹیشن پر ان کے پولنگ ایجنٹ ہمارے والد صاحب تھے۔ اُس روز دوسرے لڑکوں کی دیکھا دیکھی ہم نے بھی سبز رنگ کا قمیض پاجامہ اور جناح کیپ پہنی۔ اس کے لیے دو ایک روز پہلے ہم نے اپنے ایک سفید قمیض پاجامہ کو ہرا رنگوا لیا تھا۔ ہم لڑکوں نے جلوس نکالے اور خوب نعرے لگائے۔ گو کہ ڈبائی میں مسلمان اقلیت میں تھے لیکن کانگریس کو کسی میدان میں بھی حاوی نہیں ہونے دیا۔

ضرورت رشتہ

☆ ہارون آباد کا رہائشی لڑکا' حافظ قرآن' انڈر میٹرک' عمر 21 سال اور وہاڑی کی رہائشی خاتون' ایم اے' عمر 34 سال خلع یافتہ' ایک بچہ ساتھ۔ دونوں کے لیے دینی مزاج کے مناسب رشتے درکار ہیں۔
رابطہ: فون (رہائش): 06322-50989
موبائل: 0333-6340989

تنظیم اسلامی حلقہ پنجاب شمالی کے زیر اہتمام **دورۂ ترجمۂ قرآن** کے پروگرام

نام مدرس	مقام	برائے رابطہ
خالد محمود عباسی ناظم تنظیم اسلامی حلقہ پنجاب شمالی	جامع مسجد دیوان عمر فاروقؓ' F-10 مرکز' اسلام آباد	0300-5014831 & 051-2105671
نیاز احمد عباسی	جامع مسجد گلزار قائد' ائرپورٹ روڈ' راولپنڈی	راجہ محمد اصغر' 0333-5382262 ثاقب الطاف' 0300-5184915
اشتیاق حسین	جامع مسجد الہدیٰ' 24A' نزد شبلی کالج' علامہ اقبال کالونی' ٹینچ بھاٹہ' راولپنڈی کینٹ	رؤف اکبر 0333-5127663
گل زمان	مدرسہ اقراء تجوید القرآن' النور کالونی' کھنہ پل' راولپنڈی	محمد قدیر عباسی' 0333-5374523 & 051-4474469
محمد شمیم اختر	صادق آباد' راولپنڈی	محمد شمیم اختر' 051-4450455
محمد ریاض	جامع مسجد قبا' ماڈل ٹاؤن ہمک .	محمد ریاض' 051-4490082
نوید احمد عباسی	بمقام رہائش آفتاب عباسی' محلہ عبداللہ ٹاؤن' نزد بھیرہ پل' بہارہ کہو' اسلام آباد	آفتاب عباسی' 2232794 0301-5096093

Contact: 0300-5014831 & 051-2105671	House 223, Margala Road, F-10/3, Islamabad	Narration by: Engr. Mudassar Hussain

تنظیم اسلامی حلقہ پنجاب شمالی

31/1' فیض آباد ہاؤسنگ سکیم' نزد فلائی اوور برج' I-8/4' اسلام آباد فون: 4434438 فون / فیکس 4435430

Email: islamabad@tanzeem.org Website www.tanzeem.org

فلک سیر (ٹورسٹ) ریزورٹ ساگر ریسٹورنٹ ملم جبہ' سوات

9,600 فٹ بلندی پر واقع وادی سوات کے نہایت دلفریب اور پرفضا مقام **ملم جبہ** میں قیام و طعام کی بہترین سہولتوں سے آراستہ

جدید تعمیر شدہ شاندار ہوٹل

مینگورہ سے چالیس کلومیٹر کے فاصلے پر اور سیاحت کارپوریشن پاکستان کی چیئر لفٹ سے چار کلومیٹر پہلے کھلے' روشن اور ہوادار کمرے

نئے قالین' عمدہ فرنیچر' صاف ستھرے ملحقہ غسل خانے' اچھے انتظامات اور اسلامی ماحول

رب کائنات کی خلاقی و صناعی کے پاکیزہ و دلفریب مظاہر سے قلب و روح کو شاد کام کرنے کا بہترین موقع

تحریکی بھائیوں کے لئے خصوصی رعایت

فلک سیر کارپوریشن' جی ٹی روڈ' امانت کوٹ' مینگورہ سوات

فون دفتر: 0946-725056' ہوٹل: 0946-835295' فیکس: 0946-720031

Vol: 14 Regd. No. LRL -50 No. 39

Weekly Nida-e-Khilafat Lahore

View Point

Abid Ullah Jan
(e-mail: abidjan@tanzeemorg)

Requiem for a Nation

What do you think of these words: "Unable to win hearts and minds, the invaders now aim lower. The overwhelming evidence is that ...the occupiers widened the war to deistroy food production in rebel-held areas. The report lists indiscriminate bombings, reprisal against villages and villagers, summary executions, ... theft of civilian property, desecration of mosques, killing prisoners of war, wreckage of hospitals, assaults on journalists, training children as spies - all violations of Geneva conventions to which the Soviet Union has solemnly subscribed."

It seems these are words from some "Islamist" web site, which spew venom against the allied forces' noble mission in Iraq to motivate and recruit "terrorist" insurgents. Surprisingly, these are words from an editorial of the New York Times — an editorial in which it reminds the occupier of "all violations of Geneva conventions to which" it "has solemnly subscribed."

Editors of the New York Times penned this editorial on December 30, 1984 in which it regretted that the "Soviet method 'works.'" It condemned the UN for not doing anything other than "token censure" of the Soviet occupation of Afghanistan.

The editorial is titled "Requiem for a Nation." It is extremely concerned about "indiscriminate bombings, reprisal against villages and villagers," and the lack of dissent at home and proton abroad."

If editors of the New York Times could fast forward their feelings, without being polluted by chauvinism and xenophobia, they would be able to see that today another village Tall Afar is at the mercy of their own occupation forces in Iraq.

Bush and many others in the US considered the word "refugee" for victims of Katrina as degrading. But they could hardly read a Washington Post, September 07, 2005, report by Jonathan Finer. The title reads: "With Death at Their Door, Few Leave Iraqi City." Who is threatening such a certain death? And who is forcing them to leave?

The report makes it amply clear: "The military had warned in leaflets dropped by helicopter and messages played over loudspeaker Tuesday morning that it would soon raid the insurgent-controlled neighborhood of Sarai, east of the city center, and asked civilians to evacuate through checkpoints in the southern part of town. But the Sarai residents, most of them Sunni Turkmens, insisted they would either flee northward or remain in their homes, come what may."

It means they are not only being thrown out of their homes, but also told where they can and cannot go in their own country. Had they intend to go North, then they were to leave their own vehicles and "board military trucks bound for a base just outside the city where they could be processed and then released if they proved not to have ties to the insurgency." No one could guarantee, they would not end up in Abu Ghraib like many other thousands of innocent Iraqis.

So, here we see 200,000 "liberated" Iraqis thrown out of their homes and there comes the assault — an action replay of Fallujah. According to the reports, the operation would be extended to Ramadi, Qaem, Rawa and Samara as well. Compare the horror of these uprooted people in a devastated Iraq with the victims of Katrina. "Refugees" of Katrina are still far better off.

Puppet Prime Minister Ibrahim al-Jaafari issued a statement that the operation is against insurgents who wanted "to deny the citizens of Tal Afar their future in a democratic and peaceful Iraq. We want to guarantee those rights." The world knows how it can guarantee those rights by destroying their home, making them refugees and killing the thousands, who according to the Washington Post report decided to "remain in their homes, come what may." They became insurgents and liable to be indiscriminately killed by the forces of "liberation."

More than 128,000 Iraqis have died since the US invasion and many more are being killed the moment we write these words. 1.8 millions were starved to death even before the US invasion on the basis of lies upon lies.

Still it is not time to write requiem for Iraqi nation. It is not Iraqi nation that is dying. Deaths do not kill nations. Diseases do. It is not Iraqi nation that is dying. A whole nation is ding in America, a nation which can see victims of 9/11 and Katrina, but not the victims of American lies. A nation which is helpless before the totalitarians who have invaded foreign countries on the basis of proven lies, yet they cannot do anything to help their blood thirsty leaders make a course correction.

The Americans could not even boot the lying murderers out in a democratic way. They should have voted in such great numbers even to fail the possibility of any fraud by diebold machines. Despite that, if they felt defrauded, they should have taken a lesson from the Ukrainian orange revolution to turn the tables on con-men. Alas, their cozy lifestyle and the ambition to have more and more fun are more dear to them than the lives of the American men and women dying for 'a pack of lies' - not to speak of the thousands non-Americans who continue to die at the hands of the tyrant the Americans have "elected" as their head of state.

Allowing their leaders to make wars in the heat of the moment after 9/11 is one thing, but unable to stop them from staying the same disastrous course is totally another.

A nation that goes blind to the double standards of its leading news and opinion source, such as the New York Times, cannot stay at the helms of affairs for far too long.

If a majority of this nation were not suffering from blindness of soul, they would have seen how glorifying Afghan resistance fighters was a noble mission of the Times editorial board in 1984 and how annihilating Iraqi resistance fighters is an even greater noble mission for it today.

The only difference is that it is their own occupation and it is the result of the lies which the New York Times, along with other presstitutes, fully supported. When a nation reaches this stage, it soon reads requiem for itself in foreign newspapers. The Soviets have read it already. So would the Americans.

Also see:

Tal Afar Residents Send Out SOS

"The Americans are seemingly bombing the city with chemical weapons," he said, adding Tal Afar residents are speaking of suffocations and other health problems upon exposure to any hit area.

Posted Sep 10, 2005 07:32 AM PST

Category: IRAQ

❋ ❋ ❋